زیر سرپرستی

جاوید احمد غامدی

ریاست ہائے متحدہ امریکہ

ماہ نامہ اشراق

مئی 2024ء

مدیر: سید منظور الحسن

اشراق آڈیو

مدیر آڈیو: محمد حسن الیاس

www.ghamidi.org

غامدی سینٹر آف اسلامک لرننگ، المورد امریکہ

ریاست ہائے متحدہ امریکہ

اشراق

ماہ نامہ

جلد ۲ شمارہ ۵ مئی ۲۰۲۴ء شوال ۱۴۴۵ھ

زیر سرپرستی

جاوید احمد غامدی

مدیر

سید منظور الحسن

مدیر آڈیو اشراق: محمد حسن الیاس

مدیر انتظامی: فرحان سید

مجلس تحریر: ریحان احمد یوسفی، ڈاکٹر عمار خان ناصر، ڈاکٹر عرفان شہزاد، محمد ذکوان ندوی، نعیم بلوچ

معاون مدیر: شاہد محمود

فہرست

شذرات

غامدی صاحب کی تحریر و تقریر کا دائرہ (1) — سید منظور الحسن — 3

جنسی ہراسانی کی شکایت — محمد حسن الیاس — 13

قرآنیات

البیان: البقرہ 2: 135-141 (9) — جاوید احمد غامدی — 17

معارف نبوی

احادیث — جاوید احمد غامدی / محمد حسن الیاس — 19

مقامات

دبستان شبلی — جاوید احمد غامدی — 20

www.ghamidi.org

غامدی سینٹر آف اسلامک لرننگ، المورد امریکہ

دین و دانش

شق القمر: غامدی صاحب کا موقف (10) — سید منظور الحسن — 26

نقد و نظر

رفقاے "المورد" کے نام — محمد ذکوان ندوی — 35

اصلاح و دعوت

اللہ کی راہ میں خرچ اور قرآن — ریحان احمد یوسفی — 38

سیر و سوانح

حیاتِ امین (9) — نعیم احمد بلوچ — 40

ادبیات

عشرت دوام — جاوید احمد غامدی — 47

حالات و وقائع

خبر نامہ "المورد امریکہ" — شاہد محمود — 49

افادات غامدی
سید منظور الحسن

غامدی صاحب کی تحریر و تقریر کا دائرہ

(1)

استاذِ گرامی جناب جاوید احمد غامدی پچاس پچپن برس سے دعوت و تبلیغ کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اِس دوران میں اُنھوں نے دین کی شرح و وضاحت کی ہے اور اُس کے نتیجے میں سامنے آنے والے اشکالات، سوالات اور اعتراضات کے جواب دیے ہیں۔ اُن کا بیش تر کام اِسی مثبت دعوت پر مبنی ہے۔

تاہم، اُنھوں نے اِس پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اِس سے آگے بڑھ کر دین کی اُن تعبیرات کو ہدفِ تنقید بنایا ہے، جو اُن کے نزدیک دین کے بارے میں غلط تصورات کی ترویج کا باعث ہیں۔ اِس کے صلے میں اُنھیں شدید مخالفت اور سخت مزاحمت کا سامنا رہا ہے اور بالآخر جلاوطنی کی زندگی اختیار کرنی پڑی ہے۔

اِس نقد و جرح پر مستزاد اُن کا قومی امور پر اظہارِ خیال ہے۔ اہل پاکستان اور اہل اسلام کے سیاسی اور سماجی مسائل سے وہ کبھی صرفِ نظر نہیں کرتے۔ اُن کی نوعیت نقوشِ ماضی کی ہو، حالاتِ حاضرہ کی ہو، یا مستقبل کے اندیشوں اور امکانات کی، اگر وہ لوگوں کے علم و عمل کے لیے

مسئلہ بن رہے ہیں تو وہ اُنھیں اُسی طرح زیرِ بحث لاتے ہیں، جیسے دین کی شرح و وضاحت کے کسی اہم موضوع کو زیرِ بحث لاتے ہیں۔

غامدی صاحب کے اکثر رفقا و احباب کو اُن کے اِس طرزِ عمل پر تحفظات ہیں۔ اُن کے نزدیک غامدی صاحب کی معاصر آرا و افکار پر جرح و تنقید نے اُن کے مثبت کام کے لیے مخالفت اور مزاحمت کا سامان کیا ہے اور اُن کی دعوت کو محدود کیا ہے۔ قومی و ملی حالات و وقائع پر اُن کی گفتگوئیں ایک جانب اُن کے قیمتی اوقات کی تضیع کا باعث بنی ہیں تو دوسری جانب اُن کی وجہ سے لوگوں میں اصل دینی موضوعات سے دل چسپی میں کمی آئی ہے۔ چنانچہ وہ سمجھتے ہیں کہ غامدی صاحب کو خود بھی ایسے متنازع اور اضافی موضوعات پر کلام سے احتراز کرنا چاہیے اور اُن سے مکالمہ کرنے والے میزبانوں کو بھی اِنھیں زیرِ بحث نہیں لانا چاہیے۔

یہ وہ پس منظر ہے، جس میں برادرم محمد حسن الیاس صاحب نے غامدی صاحب سے ہفتہ وار سوال و جواب کی نشست میں، مذکورہ اعتراض کو موضوع بنایا ہے۔ اِس ضمن میں اُن کی گفتگو کا خلاصہ درجِ ذیل ہے۔

حسن الیاس صاحب کا استفسار

غامدی صاحب، آپ سے گذشتہ پانچ چھ سالوں میں کم و بیش دو اڑھائی ہزار سے زائد مباحث پر تبادلۂ خیال ہوا ہے۔ اِن میں وہ اشکالات بھی ہیں، جو دین اور سماج کے طالبِ علم کی حیثیت سے میرے ذہن میں پیدا ہوئے ہیں؛ وہ اعتراضات بھی ہیں، جو آپ کے ناقدین آپ پر کرتے رہے ہیں اور وہ سوالات بھی ہیں، جو دنیا بھر میں آپ کے قارئین اور سامعین کی طرف سے شب و روز موصول ہوتے رہتے ہیں۔ اِن کے عنوانات پر نظر ڈالی جائے تو مذہبی، اخلاقی، قانونی، فقہی، سماجی، سیاسی، تاریخی، ہر طرح کے موضوعات زیرِ بحث آئے ہیں۔ اِن میں سے خصوصاً روایتی مذہبیت پر تنقید کے مباحث اور سیاسی اور تاریخی موضوعات کے بارے میں بعض اہل علم اور بعض رفقا و احباب کی رائے ہے کہ غامدی صاحب کو اِن موضوعات پر بات نہیں کرنی چاہیے۔

اُن کے موقف اور استدلال کا جائزہ لیا جائے تو اُسے اِن پانچ نکات میں بیان کیا جا سکتا ہے:

1۔ آپ عالم دین کے منصب پر فائز ہیں۔ اِس بنا پر آپ کو اُنھی چیزوں پر کلام کرنا چاہیے،

جنھیں دین کے مشمولات (content) کی حیثیت حاصل ہے۔ یعنی آپ قرآن پر بات کریں، سنت پر بات کریں، حدیث، اجماع، قیاس، اجتہاد، فقہ پر بات کریں۔ اِسی طرح آپ ایمانیات کو موضوع بنائیں، اخلاقیات کا درس دیں، عبادات کی وضاحت کریں۔ غرضیکہ دین کے اخذ و استنباط اور شرح و وضاحت کی ہر بحث پر کلام کریں۔ یہ سب موضوعات آپ کی علمی اور دعوتی ذمہ داری کے عین مطابق ہیں۔ لیکن اِن کے علاوہ جو دیگر موضوعات ہیں، وہ آپ کی منصبی ذمہ داری اور آپ کے دائرۂ فکر و عمل سے باہر ہیں۔ اِن پر آپ کو بات نہیں کرنی چاہیے۔

2۔ جب آپ دین کے مثبت بیان سے آگے بڑھتے ہوئے اُن افکار و نظریات کو ہدفِ تنقید بناتے ہیں، جنھیں لوگ مسلمات کی حیثیت سے قبول کرتے ہیں، یا ایسے مباحث کا تجزیہ کرتے ہیں، جن سے لوگوں کے جذبات وابستہ ہوتے ہیں، یا اُن واقعات کی تردید یا تائید کرتے ہیں، جو تفریق اور گروہ بندی کا باعث بنتے ہیں، یا ایسی شخصیات پر تبصرہ کرتے ہیں، جنھیں بعض لوگ پسند کرتے اور بعض ناپسند کرتے ہیں، تو اِس کا نتیجہ اِس کے سوا کچھ اور نہیں نکلتا کہ آپ کی شخصیت اور آپ کی دعوت، دونوں متنازع ہو جاتے ہیں اور آپ کی مثبت بات کے ابلاغ کے لیے بھی فضا سازگار نہیں رہتی۔ اِن نزاعی موضوعات کی مثالوں میں ''اسلام اور تصوف''، ''اسلام اور ریاست: ایک جوابی بیانیہ''، ''حضرت علی اور امیر معاویہ''، 'واقعۂ کربلا اور یزید''، ''تحریکِ طالبان'' نمایاں ہیں۔ آپ کو اِس طرح کے موضوعات میں الجھنے کے بجاے خالص دین کو بیان کرنے پر اکتفا کرنا چاہیے۔ اگر آپ اِس پر اکتفا نہیں کریں گے تو نظریاتی، گروہی اور شخصی وابستگیاں رکھنے والے لوگ آپ کی دعوت کی طرف متوجہ نہیں ہو سکیں گے۔

3۔ سیاسیات، عمرانیات، بین الاقوامی تعلقات، قانون، تاریخ، ادب، فلسفہ اور اِس نوعیت کے غیر مذہبی علوم اپنی اپنی فنی اساسات رکھتے ہیں۔ اِن پر گفتگو کے لیے اِن میں اختصاص ضروری ہے۔ آپ کا اختصاص علوم اسلامیہ میں ہے۔ اگر آپ اِس کے علاوہ کسی علم پر بات کرتے ہیں یا کسی علم کو بنیاد بنا کر کوئی راے قائم کرتے ہیں تو اِس کا مطلب ہے کہ آپ اپنی دسترس سے باہر کے امور میں رہنمائی کر رہے ہیں۔ یہ ایسے ہی ہے کہ کوئی ماہرِ سیاست یا ماہرِ تاریخ ـــ جو اسلامی علوم میں اختصاص نہیں رکھتا ـــ قرآن و سنت پر گفتگو شروع کر دے۔ ''فوج کا بیانیہ''، ''تبدیلی کا مذہبی بیانیہ''، ''مسئلۂ فلسطین''، ''سعودی عرب میں تبدیلی''، ''افغانستان کی صورتِ حال، اسباب

اور حل'' جیسے عنوانات کی نوعیت ایسے ہی اضافی اور غیر متعلق موضوعات کی ہے۔

پھر آپ نے کچھ تاریخی شخصیات پر بھی بات کی ہے، جنھوں نے مذہب پر، معاشرت پر، سیاست پر اثرات مرتب کیے ہیں۔ چنانچہ ابن خلدون، شاہ ولی اللہ، شاہ اسماعیل، علامہ اقبال، سید سلیمان ندوی، عطا اللہ شاہ بخاری، عنایت اللہ مشرقی، شورش کاشمیری، عنایت اللہ مشرقی، حبیب الرحمٰن کاندھلوی، ڈاکٹر اسرار احمد، غلام احمد پرویز، مولانا اسحاق، مولانا وحید الدین خان، باچا خان، ذوالفقار علی بھٹو اور اِسی سطح کی متعدد دیگر شخصیات کے فکر و عمل کے بارے میں آپ نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ آپ کی اِن گفتگوؤں کا بھی، ظاہر ہے کہ آپ کے اصل کام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

4۔ ہماری علمی روایت یہ ہے کہ امت کے جلیل القدر علما نے اپنے دائرۂ عمل سے کبھی باہر قدم نہیں رکھا۔ اُنھوں نے ہمیشہ اُنھی موضوعات پر کلام کیا ہے، جو علوم اسلامیہ کے دائرے میں آتے ہیں۔ آپ کے مقام و مرتبے کا بھی یہی تقاضا ہے کہ آپ کو اِسی روایت پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔

5۔ مذکورہ نزاعی اور اضافی موضوعات ہی ہیں، جو آپ کو، آپ کے اہل خانہ کو اور آپ کے تلامذہ و احباب کو معرضِ خطر میں لے آئے ہیں۔ یہی آپ کے لیے اور آپ کے بعض رفقا کے لیے جلاوطنی کی زندگی اختیار کرنے کا سبب بنے ہیں اور اِنھی کے باعث آپ کے بعض قریبی رفقا کو شہید کیا گیا ہے۔ کیا یہ واقعی اتنے ضروری ہیں کہ اِن کے لیے اِس قدر قیمت ادا کی جائے؟

یہ آپ کے دعوتی طرزِ عمل پر نقد کے پانچ نکات ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ذرا کھلے انداز سے اِن پر بات کیجیے اور بتائیے کہ ایک عالم دین کی حیثیت سے آپ کا ان چیزوں کو موضوع بنانا کس قدر بجا ہے اور قرآنِ مجید کے احکام، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ اور علماے امت کی دعوت کے تاریخی پس منظر میں اِن کی کس قدر گنجایش ہے؟

غامدی صاحب کا جواب

دعوتِ دین کے لازمی اجزا

دین اللہ کی ہدایت ہے، جو اُس نے پیغمبروں کی وساطت سے انسانوں کو دی ہے۔ یہ دین

قرآنِ مجید میں بیان ہوا ہے اور اِسے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت کے طور پر جاری فرمایا ہے۔ اِن دو صورتوں میں یہ امت مسلمہ کے پاس محفوظ ہے اور تا قیامت انسانوں کی رہنمائی کے لیے دستیاب ہے۔ اِس کی دعوت جب بھی لوگوں کے سامنے پیش کی گئی ہے تو اُس میں تین چیزوں کا التزام کیا گیا ہے۔

ایک یہ کہ اصل بات کو بے کم و کاست بیان کیا جائے۔

دوسرے یہ کہ اُس بات کے مضمرات کو نمایاں کیا جائے۔

تیسرے یہ کہ اُس کے مخالف نقطۂ نظر کی غلطی واضح کی جائے۔

یہ تینوں چیزیں دین کی تفہیم و تبیین اور دعوت و تبلیغ کے لیے ناگزیر ہیں۔

قرآنِ مجید کا اسلوب دعوت

اللہ تعالیٰ نے جب اپنے دین کی دعوت پیش کی ہے تو اُس میں اِن تینوں چیزوں کو شامل کیا ہے۔ چنانچہ جب ہم کلامِ الٰہی کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اُس میں ایمان و اخلاق اور اعمال و احکام کو بیان کرنے پر اکتفا نہیں کیا گیا—اگر ایسا کیا جاتا تو قرآنِ مجید کی ضخامت چند سورتوں سے زیادہ نہ ہوتی—بلکہ اُن کی توضیح و تشریح کے لیے تمثیلات ہیں، تشبیہات ہیں، تاریخی شواہد ہیں اور مخاطبین کے طرزِ عمل پر بھرپور تبصرے ہیں۔ اِس کے ساتھ مخاطبین کی ناقص معلومات کی تصحیح بھی ہے، بے بنیاد خیالات کی تغلیط بھی ہے، اور باطل افکار کی تردید بھی ہے۔ اِسی بنا پر اِس کی نوعیت یہ ہے کہ یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سرگذشتِ انذار ہے۔ تاہم، اِن ساری بحثوں میں دین کے اساسی مباحث ہرگز نظر انداز نہیں ہوئے۔ اُن کی حیثیت نقطۂ پرکار کی ہے۔ گویا تمام سیاسی، سماجی، قانونی، تاریخی موضوعات اُنھی سے اٹھتے، اُنھی کے گرد گھومتے اور اُنھی کی طرف لوٹتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلوب دعوت

رسالت مآب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دین کے سب سے پہلے اور سب سے بڑے عالم تھے۔ اِس حیثیت میں آپ نے دین کی تفہیم و تبیین اور شرح و وضاحت کا فریضہ انجام دیا۔ اِس کا ایک بڑا حصہ حدیث اور سیرت کی کتابوں میں جمع ہے۔ اُس کے مطالعے سے بھی واضح ہے کہ

آپ کے اقوال و افعال اصل دین کے بیان، اُس کی شرح و وضاحت اور اُس کے مخالف نظریات کی تنقید و تردید پر مشتمل ہیں۔

علماے امت کا اسلوب دعوت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں علماے صحابہ اور اُن کے بعد تمام علماے امت نے گذشتہ چودہ سو سال میں اِسی طریق کار کو اختیار کیا ہے۔[1] اِن میں سے وہ لوگ جو اپنے اپنے زمانے میں دین کی دعوت کا علم لے کر اٹھے، اُن کے کام سے واضح ہے کہ اُنھوں نے دعوت اور اُس کے اثرات سے متعلق ہر بحث کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ امام غزالی، امام ابن تیمیہ، امام شاہ ولی اللہ اور سید ابوالاعلیٰ مودودی کی مثالیں اِس معاملے میں بہت نمایاں ہیں۔ امام غزالی کی ''تہافۃ الفلاسفہ'' اور ''المنقذ من الضلال''، امام ابنِ تیمیہ کی ''منہاج السنۃ''، شاہ ولی اللہ کی ''ازالۃ الخفا'' اور ''تفہیمات الالٰہیہ'' قابلِ ذکر ہیں۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے تو اپنے دعوتی کام کی ابتدا ہی جس کتاب سے کی، اُس کا عنوان ہے: ''مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش''۔ اِن کتابوں کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ جلیل القدر اصحاب علم اپنے سیاسی اور سماجی حالات پر تبصرہ کرتے ہیں، حکمرانوں کو متنبہ کرتے ہیں، علما کو مخاطب کرتے ہیں، فقہا پر نقد کرتے ہیں، اربابِ حل و عقد کو توجہ دلاتے ہیں، اہل علم و دانش کی غلطیوں کی نشان دہی کرتے ہیں۔ اِن کی تمام دعوتی جدوجہد اِنھی کاموں سے عبارت ہے۔

اِس تفصیل سے واضح ہے کہ ہماری تاریخ میں دین کی دعوت کا کام جب بھی ہوا ہے، وہ

---

[1]۔ اِس کا ایک عمومی تعارف حاصل کرنا ہو تو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی کتاب ''تجدید و احیاے دین'' کا مطالعہ مفید ہو گا۔ اِس کتاب میں اُنھوں نے ائمۂ اربعہ سے لے کر شاہ اسماعیل شہید تک اُن نمایاں علما و مجددین کا ذکر کیا ہے، جنھوں نے دین کو لوگوں کے لیے ایک زندۂ جاوید مسئلہ بنانے کے لیے ہر ممکن کوشش کی اور اِس مقصد کے لیے دین کی شرح و وضاحت کی، اجتہادی امور میں رہنمائی کا کردار ادا کیا، اپنے علم و فہم کے مطابق غلط عقائد و افکار کی بیخ کنی کی اور اُن کی جگہ فکرِ اسلامی کی صحیح تعبیر کو جاگزیں کیا۔ مزید برآں اُنھوں نے سیاسی اور سماجی دائروں میں معروضی حالات کو موضوع بنایا اور کسی مداہنت اور مصالحت کے بغیر پوری جرأت و بہادری کے ساتھ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کی جدوجہد جاری رکھی۔

حالات کی رعایت سے ہوا ہے اور اُس میں مذہبی، سیاسی، سماجی اور تاریخی نوعیت کے وہ تمام موضوعات زیرِ بحث آئے ہیں، جو کسی نہ کسی پہلو سے مخاطبین کا مسئلہ ہیں یا اُن کے لیے مزلۂ قدم بن سکتے ہیں یا الجھن کا باعث ہو سکتے ہیں یا مثبت حقائق کو سمجھنے میں رکاوٹ پیدا کر سکتے ہیں۔

غامدی صاحب کا اسلوب دعوت

میں دین کے ایک طالب علم کی حیثیت سے دعوتِ دین کی اِسی روایت کے تسلسل میں کھڑا ہوں۔ میں نے اُنھی چیزوں کو موضوع بنایا ہے، جنھیں کارِ دعوت میں موضوع بنانا ضروری ہے۔ میری تصانیف میں ''البیان'' قرآنِ مجید کی شرح و تفسیر ہے۔ ''میزان'' مثبت اسلوب میں دین کی شرح و وضاحت ہے۔ ''الاسلام'' اُسی کا خلاصہ ہے۔ ''برہان'' میں وہ مضامین جمع ہیں، جن میں معاصر آرا و افکار پر تنقید کی گئی ہے۔ ''مقامات'' متفرق مضامین کا مجموعہ ہے، اس میں میری اجتہادی آرا بیان ہوئی ہیں، قومی و ملی اور سیاسی و سماجی موضوعات پر تنقیدات اور تبصرے اور تجاویز ہیں۔ بعض تاریخی مباحث کو بھی موضوع بنایا ہے۔ اِس میں ''اسلام اور ریاست—ایک جوابی بیانیہ'' اور اُس کے علاوہ ''مسئلۂ قومیت''، ''اسلامی حکومت''، ''نفاذِ شریعت'' اور ''مذہبی انتہا پسندی'' جیسے مضامین سیاسی موضوعات پر مبنی ہیں۔ گفتگوؤں کا معاملہ بھی یہی ہے۔ اُن میں بھی دعوتِ دین کے تعلق سے مثبت چیزوں کی شرح و وضاحت کے ساتھ اُن تمام موضوعات کو زیرِ بحث لایا گیا ہے، جو دعوت کے مخاطبین کے فکر و عمل کا حصہ ہیں۔ یہ میرے کام کا دائرہ ہے۔ یہ میری منصبی ذمہ داری ہے۔ زندگی بھر میں نے نہ اِس سے ایک قدم آگے بڑھایا ہے اور نہ ایک قدم پیچھے ہٹایا ہے۔

سوال یہ ہے کہ میں نے جن موضوعات پر اب تک لکھا ہے یا گفتگو کی ہے، اُن میں سے کون سی چیز اِس دائرے سے باہر کی ہے؟

—— اگرچہ اِس دائرے سے باہر کی بھی کسی چیز پر کوئی پابندی نہیں لگائی جا سکتی۔ میں اپنی سوانح تحریر کر سکتا ہوں، سفر نامہ لکھ سکتا ہوں، شعر و ادب پڑھا سکتا ہوں، مختلف زبانوں کی تعلیم دے سکتا ہوں، ادیبوں، شاعروں، محققوں، عالموں، رہنماؤں کے کاموں کو زیرِ بحث لا سکتا ہوں، ملکوں اور قوموں کے عروج و زوال پر بات کر سکتا ہوں، اپنے ہم قوموں کی معاشی اور سیاسی بہتری کے لیے تجاویز دے سکتا ہوں، غرضیکہ اپنی پسند کے ہر موضوع پر اظہار خیال کر سکتا ہوں۔——

دعوت میں تاریخی واقعات اور تاریخی شخصیات کے ذکر کی اہمیت

جہاں تک تاریخی واقعات یا شخصیات کو زیرِ بحث لانے کا تعلق ہے تو سوال یہ ہے کہ قرآنِ مجید نے ذوالقرنین کا ذکر کیوں کیا ہے؟ اصحابِ کہف کے واقعے کو کیوں بیان کیا ہے؟ حضرت یوسف علیہ السلام کی داستانِ حیات کی تفصیل کیوں کی ہے؟

انسانوں کے جذبات و احساسات

جان رکھیے، یہ انسانی فطرت ہے کہ اگر دعوت کو مخاطبین کے مسائل و مباحث سے بے نیاز ہو کر پیش کیا جائے گا تو وہ موثر نہیں ہو سکے گی۔ مخاطبین اینٹ پتھر اور شجر و حجر نہیں ہوتے۔ اُن کے جذبات و احساسات ہوتے ہیں، اُن کی سیاسی، سماجی اور مذہبی عصبیتیں ہوتی ہیں، تاریخی وابستگیاں ہوتی ہیں۔ یہ چیزیں اُن کے فکر و عمل پر اثر انداز ہوتی ہیں اور بعض اوقات تعبیراتِ دین کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ اگر انسانوں سے ہم کلام ہونا ہے تو اُن کے اہم مباحث پر منفی یا مثبت تبصرہ کرنا ضروری ہو گا۔ منفی تبصرے سے اُن کی غلطیوں کی اصلاح ہو گی اور مثبت تبصرے اُن کی حوصلہ افزائی کا باعث ہوں گے۔

تاریخی واقعات

ہمارے ہاں دیکھیے کہ یہ تاریخی واقعات ہی ہیں، جنھوں نے امت کو اہل سنت اور اہل تشیع کے دو بڑے گروہوں میں تقسیم کر دیا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ اُن واقعات کو محض تاریخی حوادث کے طور پر نہیں دیکھا گیا، مذہبی نظریات کی بنیاد بنایا گیا ہے۔ ــــ ایک گروہ کی طرف سے امامت کا نظریہ سامنے آیا، جو بہ تدریج عقیدے کی صورت اختیار کر گیا اور پھر دوسرے گروہ کے اہل علم کو اُس کی تردید کے لیے دورِ اول کے اُن سیاسی واقعات کو زیرِ بحث لانا پڑا، جنھیں اُس نظریے کی اساس کی حیثیت حاصل ہے ــــ چنانچہ اگر ایسے نظریات کی اصلاح مقصود ہو گی تو اُن کی بنیاد میں پڑے ہوئے واقعات کو لازماً زیرِ بحث لانا پڑے گا۔ مجردات کے اسلوب میں کی گئی بات کو نہ مخاطب سننے کے لیے آمادہ ہو گا، نہ اُس کی سمجھ میں آ سکے گی۔

دین کی مختلف تعبیرات

آپ جانتے ہیں کہ ہمارے ہاں دین کی مختلف تعبیرات رائج ہیں۔ جنھیں ہم تفہیمِ مدعا کے

لیے دین کی فقہی تعبیر، دین کی سلفی تعبیر، دین کی جہادی تعبیر، دین کی متصوفانہ تعبیر، دین کی سیاسی تعبیر جیسے اسما سے موسوم کرتے ہیں۔ اِن تعبیروں میں دین کے لحاظ سے اگر کوئی ترمیم و اضافہ ہے، کوئی افراط و تفریط ہے یا کوئی کفر، کوئی باطل، کوئی ضلالت، کوئی بدعت داخل ہے تو اُس کی نشان دہی بھی ضروری ہے اور پورے علم و استدلال کے ساتھ تغلیط و تردید بھی لازم ہے۔ یہ دین کی تعلیمات کو انسانی فکر و عمل کی آمیزشوں سے پاک کرنے کا کام ہے۔ اِس کے بغیر دین کے صحیح تصور کو لوگوں کے دل و دماغ میں اتارا ہی نہیں جا سکتا۔

یہ ساری بات منفی پہلو سے کی گئی ہے، اب مثبت پہلو سے بھی اِس کو سمجھ لیجیے۔

دورِ صحابہ کی دینی نوعیت

دیکھیے، قرآن مجید سے واضح ہے کہ رسالت مآب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کے تین لازمی تقاضے ہیں:

1۔ یہ مانا جائے کہ آپ اللہ کے فقط نبی نہیں تھے، بلکہ اُس کے رسول بھی تھے۔

2۔ یہ مانا جائے کہ آپ کی نبوت الی الخلق کافۃ ہے،[2] یعنی تمام انسانیت کے لیے ہے۔

3۔ یہ مانا جائے کہ آپ پر نبوت ختم ہو گئی ہے۔ اب تا قیامت کوئی نبی نہیں آئے گا۔

ختم نبوت کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی دعوت کا جو اہتمام کیا ہے، وہ دو اجزا پر مبنی ہے:

ایک یہ کہ اپنی مکمل ہدایت کو قرآنِ مجید کی صورت میں پوری طرح محفوظ کر دیا ہے۔

دوسرے یہ کہ بنی اسماعیل یعنی صحابۂ کرام کی جماعت کو ”شہادت“[3] کے منصب پر فائز کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا	”اِسی طرح ہم نے تمھیں بھی ایک
لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ	درمیان کی جماعت بنا دیا ہے تاکہ تم دنیا

2۔ صحیح مسلم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل ہوا ہے: ’اُرْسِلْتُ اِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً‘، ”مجھے تمام خلق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔“ (رقم 1167)

3۔ قرآن کی اصطلاح میں شہادت کے معنی یہ ہیں کہ حق لوگوں پر اِس طرح واضح کر دیا جائے کہ اِس کے بعد کسی شخص کے لیے اُس سے انحراف کی گنجایش نہ ہو۔

الرَّسُوۡلُ عَلَيۡكُمۡ شَهِيۡدًا. (البقرہ 2:143)	کے سب لوگوں پر (حق کی) شہادت دینے والے بنو اور اللہ کا رسول تم پر یہ شہادت دے۔“

یعنی اِس جماعتِ صحابہ کی نوعیت ’اُمَّةً وَّسَطًا‘ (درمیانی امت) کی ہے، جس کے ایک طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسری طرف دنیا کے باقی سب لوگ ہیں۔ اُس جماعت کی یہ دینی ذمہ داری تھی کہ اُس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کو وصول کرنا تھا اور پھر اُسے بے کم و کاست باقی دنیا تک پہنچانا تھا۔ وہ دین کی شہادت کے منصب پر فائز تھے۔ یعنی اُنھیں اللہ تعالیٰ نے دین حق کی گواہی کے لیے اُسی طرح منتخب کیا تھا، جس طرح وہ بنی آدم میں سے بعض جلیل القدر ہستیوں کو نبوت ورسالت کے لیے منتخب کرتا ہے۔ اِس حیثیت سے اُن کا فریضہ یہ تھا کہ دین کی جس شہادت کو اللہ کے رسول نے اُن پر قائم کیا ہے، وہ اُسی شہادت کو اقوامِ عالم پر قائم کر دیں۔

صحابۂ کرام کی یہ جماعت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے تک اِس ذمہ داری پر فائز رہی۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ حکومت (10ھ) سے لے کر حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے عہدِ حکومت (60ھ) تک 50 سال کا زمانہ شہادت کی اُس ذمہ داری کا زمانہ ہے، جو اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام پر عائد کی تھی۔ اِس دور کے حوادث، اِس دور کے واقعات، اِس دور کی شخصیات کا مطالعہ زمانۂ شہادت کا مطالعہ ہے۔ اِس دور کا مطالعہ بھی ضروری ہے اور اِس کے بارے میں لوگوں میں اگر کوئی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں تو اُن کی اصلاح بھی ضروری ہے۔ یہ ضرورت دین کے علم اور اور دین کی دعوت، دونوں پہلوؤں سے ہے۔ اِس سے کسی طور صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا۔

[باقی]

محمد حسن الیاس

جنسی ہراسانی کی شکایت

اِس بات میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اللہ نے انسان کو جس فطرت پر پیدا کیا ہے، اپنے ارادے کے سوء استعمال سے وہ اُسے مسخ کرتا اور اپنی جبلتوں کی اسیری قبول کر لیتا ہے۔ پھر چاہے وہ مال کی جبلت ہو، جنس کی یا برتری کی، وہ اُن سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ انسان کی فطرت میں موجود ان تمام داعیات کا اظہار ان کے صحیح محل پر ہونا چاہیے، اگرچہ خالق کائنات نے دنیا میں اس کا پورا اہتمام کر رکھا ہے، لیکن انسانی فطرت مسخ ہو جائے تو وہ ان تقاضوں کو ایسے ذرائع سے بھی پورا کر لیتا ہے جو دوسروں کی حق تلفی اور ان کے خلاف زیادتی کا باعث بن رہے ہوں۔

کسی کو جنسی طور پر ہراساں کرنا بھی ایسا ہی قبیح فعل ہے۔ اس عمل کی شناعت اس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے، جب معاشرے میں اس شکایت کو رجسٹر کرنے کا راستہ بھی بند کر دیا جائے۔ انسانی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ سماج کے اس جبر اور جبلتوں کی اس غلامی کو مرد و عورت، دونوں نے قبول کیا ہے۔ جس طرح ایک معصوم عورت کو جنسی استحصال کے بعد کرب سے گزرنا پڑتا ہے بالکل اسی طرح مرد کو بھی اس تکلیف سے گزرنا پڑتا ہے۔ جیسے یوسف نامی مردِ پارسا بھی زلیخا جیسی خاتون کے ہاتھوں گزرا تھا۔

معاشرے کی تنظیم، اظہار رائے کی آزادی اور ریاست کا ادارہ قائم ہونے کے بعد اس طرح کے معاملات میں حق تلفی کو روکنا نہ صرف یہ کہ سماجی اقدار کا حصہ بن چکا ہے، بلکہ لوگوں میں اپنی آبرو کے تحفظ کا شعور بھی مزید پختہ ہوا ہے۔ تاہم سوشل میڈیا کے اس دور میں جہاں خبریں لمحوں میں لاکھوں کروڑوں لوگوں تک پھیل جاتی ہیں، وہاں جنسی ہراسانی سے متاثرہ لوگوں کی بھی

کچھ قانونی اور اخلاقی ذمہ داریاں پیدا ہوتی ہیں، جن کا لحاظ رکھنا خود ان کے حقوق کے تحفظ کے لیے بھی ضروری ہے۔

حالیہ برسوں میں جو صورت حال سامنے آئی ہے، اس میں جنسی ہراسانی سے متاثر کوئی فرد ہو، میڈیا یا پھر قانون نافذ کرنے والے ادارے، الزام لگتے ہی ملزم کی تصویر اور شناخت سر بازار نیلام کر دیتے ہیں، ہمارے نزدیک یہ بالکل غلط رویہ ہے۔

کسی پر جنسی ہراسانی کا الزام لگانا، سوسائٹی میں اس کی حیثیت عرفی کو ختم کرنے کے مترادف ہے۔ وہ شخص، اس کا خاندان اور اس کے متعلقین، سب کے سب معاشرے کی نظر میں ایک مجرم کی حیثیت سے پیش کیے جاتے ہیں۔ یوں کیس عوام کی عدالت میں چلتا ہے، جس کا کوئی قاعدہ، کوئی قانون نہیں ہوتا۔ پہلے ایک جانب سے کپڑے اتارے جاتے ہیں، پھر دوسری جانب سے گند اچھالا جاتا ہے۔ ایک فریق اور اُس کے چاہنے والے بغیر کسی قطعی دلیل کے دوسرے کو درندہ کہہ رہے ہوتے ہیں اور دوسرا فریق اور اُس کے متعلقین پہلے کو جھوٹا اور بلیک میلر گردان رہے ہوتے ہیں۔ یوں بد اخلاقی کی ایسی روایت وجود میں آتی ہے، جو نفرت، جھوٹ، الزامات کو اگلی نسلوں تک منتقل کر دیتی ہے۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد یہ جھوٹ اپنے دائروں میں تاریخی سچائی بن جاتا ہے۔ ایسے میں خاندان، ادارے اور ملک ہی نہیں قومیں بھی ایک دوسرے سے متنفر ہو جاتی ہیں۔

انٹرنیٹ اور فیس بک کے آنے کے بعد لوگوں کو جہاں جنسی ہراسانی کے قبیح فعل کے خلاف آواز اٹھانے اور اس پر بات کرنے کی ہمت ملی ہے، وہیں یہ ضروری محسوس ہوتا ہے کہ معاشرے کی تربیت کے ساتھ ساتھ اس ضمن میں باقاعدہ قانون سازی بھی کی جائے اور الزام کو عوامی عدالت میں پیش کرنے کے بجاے کیس درست طریقہ سے متعلقہ فورم پر اپنے منطقی انجام تک پہنچے۔

ہمارے خیال میں معاشرے کی تربیت اور قانون سازی میں درج ذیل امور کو مد نظر رکھنا چاہیے:

1۔ کسی پر جنسی ہراسانی کا الزام ایک متعلقہ محکمے کے علاوہ کسی دوسرے فورم پر لگانا قابل سزا جرم ہونا چاہیے۔

اگر یہ الزام کہیں سامنے آ بھی جائے تو عام لوگوں کو کف لسان سے کام لینا چاہیے، جب تک

شکایت کنندہ یا ملزم مجرم ثابت نہ ہو جائے، کسی فریق کے بارے میں کوئی بات نہیں کرنی چاہیے۔ شکایت کنندہ کو قائل کرنا چاہیے اور ہمت دلانی چاہیے کہ وہ مناسب فورم پر جا کر ہی یہ بات کرے۔ عام لوگوں کو ایسے الزام کو نہ پھیلانا چاہیے نہ اس کی تشہیر کرنی چاہیے۔

2۔ عام عدالتوں کے بجاے اس طرح کے الزامات کے لیے خاص متعلقہ محکمے بننے چاہییں اور انھیں ملزم کا نام اس وقت تک عام کرنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے، جب تک کہ جرم پوری طرح ثابت نہ ہو جائے۔ یہی معاملہ شکایت کنندہ کی معلومات کے بارے میں ہونا چاہیے۔

میڈیا کو، اخبارات کو اپنی سماجی ذمے داری محسوس کرنی چاہیے اور اس طرح کے موضوعات پر اپنے ذرائع سے اندر کی خبریں نکالنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

3۔ جرم کے ثبوت کے لیے، عینی گواہ تلاش کرنے کے بجاے نفسیاتی تجزیہ کر کے، ماضی کے احوال جان کر اور واقعاتی قرائن کی بنا پر معاملے کی گہرائی تک پہنچنا چاہیے۔

اسی طرح کیس رجسٹر کرانے کے لیے اور شکایت کنندہ کے تحفظ کے لیے فاصلاتی نظام شکایت مرتب کرنا چاہیے، جہاں محکموں میں دھکے کھانے اور اپنی جان کو غیر محفوظ بنانے سے بچایا جا سکے۔

4۔ کوشش کرنی چاہیے کہ اگر کسی جگہ غلطی یا حد سے تجاوز ہوا ہے تو جب تک پوری تحقیق نہ ہو جائے، کیس کی روداد باہر نہ آ سکے۔ قانونی ماہرین کے علاوہ معاشرے کے معتبر افراد کو کارروائی کا حصہ بنانا چاہیے تاکہ ایسے حساس واقعات کی شفاف تحقیق ہو سکے اور جرم کی اصل نوعیت بھی واضح ہو جائے۔

5۔ اس طرح کے معاملے میں کوئی شخص مجرم ثابت ہوتا ہے تو پھر شکایت کنندہ یا محکمے کو چاہیے کہ وہ اس موقع پر ہی اس کی شناخت کا اعلان کریں تاکہ باقی لوگوں کو متنبہ کیا جا سکے، لیکن اس کے دوستوں، گھر والوں اور تعلق داروں کی شناخت کے تحفظ کے ساتھ۔

مغربی دنیا میں ایسے لوگوں کو سسٹم میں ڈال دیا جاتا ہے، چنانچہ ہر معاملہ کرنے والا ان سے واقف ہوتا ہے۔

6۔ اگر الزام غلط ثابت ہوتا ہے تو الزام لگانے والے پر سزا یا جرمانہ عائد ہونا چاہیے۔ ملزم کو اس بات کی تشہیر کی بھی اجازت ملنی چاہیے کہ فلاں نے مجھ پر غلط الزام لگایا تھا، جو ثابت نہیں ہو سکا۔

7۔ الزام ثابت ہونے کے بعد مجرم کو جسمانی سزا دینے کے ساتھ ساتھ اس کے نفسیاتی علاج معالجہ کا بندوبست بھی کیا جانا چاہیے تاکہ اس کے مرض کا علاج بھی کیا جا سکے اور وہ مستقبل میں اپنے خاندان اور معاشرے میں مثبت کردار ادا کر سکے۔

یہ تجاویز محض نمونے کے طور پر پیش کی گئی ہیں، اس معاملے کے ماہرین اس باب میں مزید غور و فکر سکتے ہیں۔

سوشل میڈیا پر جنسی ہراسانی سے متعلق آئے دن واقعات سننے میں آتے ہیں اور بالعموم سوسائٹی کے معروف افراد کے بارے میں ہوتے ہیں۔ عام لوگوں کی ان واقعات میں بہت دل چسپی پیدا ہو جاتی ہے، اور پورے معاملے کو ایک خاص جذباتی فضا میں سنا اور سنایا جاتا ہے۔ یہ بڑے حساس اور نازک معاملات ہوتے ہیں، جن سے لوگوں کی زندگیاں وابستہ ہوتی ہیں، لہٰذا ہمیں ذمہ داری کا ثبوت دینا چاہیے اور سب کو خدا سے پناہ مانگنی چاہیے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم خود ایک دن کسی ایسے الزام کا نشانہ بن جائیں اور پھر عوام کی عدالت میں مجرم کی حیثیت سے صفائیاں دیتے پھریں اور پوری زندگی نفرت اور غصہ کا نشانہ بنے رہیں۔ چنانچہ جو کل کو ہم اپنے لیے چاہیں گے، وہی آج سے دوسروں کے لیے سوچنا شروع کریں۔

البیان

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ البقرۃ

(9)

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

(اِن کے بزرگوں کی روایت تو یہ ہے) اور اِدھر اِن کا اصرار ہے کہ یہودی یا نصرانی بنو تو ہدایت پاؤ گے۔ اِن سے کہہ دو: بلکہ ابراہیم کا دین اختیار کرو جو (اپنے پروردگار کے لیے) بالکل یک سو تھا اور مشرکوں میں سے نہیں تھا۔ (ایمان والو)، اِن سے کہہ دو کہ ہم نے اللہ کو مانا ہے اور اُس چیز کو مانا ہے جو ہماری طرف نازل کی گئی اور جو ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق اور یعقوب اور اُن کی اولاد کی طرف نازل کی گئی اور جو موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے سب نبیوں کو اُن کے پروردگار کی طرف سے دی گئی۔ ہم اِن میں سے کسی کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے۔ (یہ سب اللہ کے پیغمبر

ہیں) اور ہم اُسی کے فرماں بردار ہیں۔136-135

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١٣٧﴾

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۠ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿١٣٨﴾ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿١٣٩﴾

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٤٠﴾

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔـلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٤١﴾

پھر اگر وہ اُس طرح مانیں، جس طرح تم نے مانا ہے تو راہ یاب ہوئے اور اگر منہ پھیر لیں تو وہی دشمنی کی ضد پر ہیں۔ سو اِن کے مقابلے میں، (اے پیغمبر)، اللہ تمھارے لیے کافی ہے، اور وہ سننے والا ہے، ہر چیز سے واقف ہے۔137

(اِن سے کہہ دو، تم) اللہ کا یہ رنگ اختیار کرو اور اللہ کے رنگ سے کس کا رنگ بہتر ہے اور (کہہ دو کہ) ہم تو (ہر حال میں) اُسی کی عبادت کرتے ہیں۔ کہہ دو، کیا تم اللہ کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو، دراں حالیکہ وہی ہمارا بھی پروردگار ہے اور تمھارا بھی؟ اور (اگر یہ نہیں، تو پھر) ہمارے لیے ہمارے عمل ہیں اور تمھارے لیے تمھارے عمل، اور ہم تو خالص اُسی کے ہیں۔139-138

کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم، اسمٰعیل، اسحاق، یعقوب اور اُن کی اولاد کے لوگ یہودی یا نصرانی تھے؟ اِن سے پوچھو، تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ (افسوس)، اُن لوگوں سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جن کے پاس اللہ کی طرف سے کوئی گواہی ہو اور وہ اُسے چھپائیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ اُن چیزوں سے بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو۔140

یہ ایک گروہ تھا جو گزر گیا، اُن کا ہے جو اُنھوں نے کیا اور تمھارا ہے جو تم نے کیا، تم سے یہ نہ پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے۔141

[باقی]

ترجمہ و تحقیق: جاوید احمد غامدی / محمد حسن الیاس

— 1 —

ابو قتادہ بیان کرتے ہیں کہ اُنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ نے فرمایا: اچھا خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، لہٰذا اُس میں بشارت ہوتی ہے۔ سو تم میں سے کوئی شخص جب ایسی چیز خواب میں دیکھے جو اُسے اچھی لگ رہی ہو تو اُس کا ذکر صرف اُسی سے کرے جو اُسے عزیز ہو۔ اِسی طرح برا خواب شیطان کی طرف سے ہے۔ چنانچہ تم میں سے کوئی شخص جب ایسی چیز خواب میں دیکھے جو اُسے بری لگ رہی ہو تو اُس کا ذکر کسی سے نہ کرے۔ تاہم اٹھنے کے بعد شیطان کے شر سے پناہ مانگتے ہوئے تین مرتبہ اپنے بائیں جانب تھو تھو کر دے، اور مطمئن رہے، وہ اُس کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ (جامع معمر بن راشد، رقم 965)

— 2 —

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کا خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔ (صحیح بخاری، رقم 6501)

— 3 —

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خواب تین قسم کے ہوتے ہیں: اللہ کی طرف سے خوش خبری، نفس انسانی کے مکالمات اور شیطان کے ڈراوے۔ پھر تم میں سے کوئی اچھا خواب دیکھے تو اُسے، اگر چاہے تو بیان کر سکتا ہے، لیکن کوئی ایسا خواب دیکھے جو اُسے اچھا نہ لگے تو کسی سے بیان نہ کرے، بلکہ اٹھ کر نماز پڑھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، رقم 29917)

مقامات

جاوید احمد غامدی

دبستان شبلی

حلقہ گرد من زنید اے پیکران آب و گل
آتشے در سینہ دارم از نیاگان شما

رات کے پچھلے پہر اپنی مطالعہ کی میز پر بیٹھا ہوں۔ آلۂ تکییف نے کمرے کی ساری گرمی باہر پھینک دی ہے، لیکن سینے کی آتش پر اُس کا زور کیا چلتا، اُس کی انگیٹھی برسوں سے سلگ رہی ہے۔ میں نے بارہا چاہا کہ اُس کی کچھ چنگاریاں اِدھر اُدھر بجھی ہوئی راکھ میں بھی ڈال دوں تو شاید قرار آ جائے، لیکن اِس سے تپ شعلہ کیا کم ہو جائے گی؟

غزلے زدم کہ شاید بنوا قرارم آید
تپ شعلہ کم نہ گردد ز گسستن شرارہ

تاہم آج یہ چنگاریاں خود بے تاب ہیں کہ اِس آگ کا پتا دوسروں کو بھی دیں:

می کشد شعلہ سرے از دل صد پارۂ ما
جوش آتش بود امروز بہ فوارۂ ما

1857ء جہاں ہماری تاریخ کا وہ سال ہے جس میں ہمارے اقبال کا آفتاب برصغیر میں غروب

ہوا، وہاں ایک دوسرا آفتاب اِس سال میں مطلع امت پر طلوع بھی ہوا۔ یہ مولانا شبلی کا سال پیدایش ہے۔ سید سلیمان ندوی کے بقول: وہ ہنگامۂ مشرق میں پیدا ہوئے اور 1914ء کے ہنگامۂ مغرب میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔ یہ اُنھی کا دور ہے جس میں مغربی تہذیب سے ہمارا پہلا تعارف ہوا اور اِس کے نتیجے میں یہ امت دو گروہوں میں بٹ گئی۔ اِن میں سے ایک گروہ اِس بات پر مصر ہوا کہ نہ دین کو خاص اپنے مکتب فکر کے اصول و مبادی اور اپنے اکابر کی رایوں سے بالاتر ہو کر براہ راست قرآن و سنت سے سمجھنا ممکن ہے اور نہ مغربی تہذیب اور اُس کے علوم اِس کے مستحق ہیں کہ وہ کسی پہلو سے اہل دین کی نظروں میں ٹھیریں۔ اِس گروہ کے بڑوں میں قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی، محمود الحسن دیوبندی، انور شاہ کاشمیری، حسین احمد مدنی، اشرف علی تھانوی اور شبیر احمد عثمانی کے نام بہت نمایاں ہیں۔ دوسرا گروہ اُن لوگوں کا تھا جن کے نزدیک حق و باطل کا معیار یہی تہذیب اور اُس کے علوم قرار پائے۔ اُن کا سرخیل وہی بڈھا تھا جس کے بارے میں خود شبلی نے کہا تھا:

پیری سے کمر میں اک ذرا خم
تو قیر کی صورت مجسم

شبلی اِن دونوں کے مقابلے میں ایک تیسری جماعت کے بانی ہوئے۔ اِس جماعت کے بنیادی اصول دو تھے: ایک یہ کہ ہمارے لیے ترقی یہی ہے کہ ہم پیچھے ہٹتے چلے جائیں، یہاں تک کہ اُس دور میں پہنچ جائیں جب قرآن اتر رہا تھا اور جب خدا کا آخری پیغمبر خود انسانوں سے مخاطب تھا۔ اور دوسرے یہ کہ یہ خود قدیم کی ضرورت ہے کہ ہم جدید سے بھی اُسی طرح آشنا رہیں، جس طرح قدیم سے ہماری شناسائی ہے۔ سید سلیمان ندوی، ابو الکلام آزاد، ابوالاعلیٰ مودودی، حمید الدین فراہی، امین احسن اصلاحی، یہ سب اِسی جماعت کے اکابر ہیں۔ میں اِسے ''دبستان شبلی'' کہتا ہوں۔ اقبال بھی زیادہ تر اِسی دبستان سے متعلق رہے۔ اُن کی آواز اِس عہد کی خوب صورت ترین آواز تھی۔ اُن کی شاعری ادب عالیہ قرار پائی۔ تاہم فلسفہ و تصوف سے دل چسپی کی وجہ سے اُن کا معاملہ وہی رہا جو اِس سے پہلے ہم اپنی تاریخ میں، مثلاً غزالی کے ہاں دیکھ چکے تھے۔ وہ جس غزال رعنا کے اسیر ہوئے، اُس پر چلانے کے لیے تیر کمان میں رکھتے ہیں، پھر اُسے دیکھتے ہیں تو یہی تیر کسی اور کے سینے میں ترازو ہو جاتا ہے۔ گویا وہی معاملہ ہے:

خدنگ جعبۂ توفیق امشب در کمانم بود
غزالم در نظر بسیار خوب آمد خطا کردم

سید سلیمان ندوی اگرچہ شبلی کے جانشین ہوئے، لیکن حق یہ ہے کہ وہ پہلے گروہ ہی سے متعلق تھے۔ چنانچہ اُنھوں نے عملاً اِس حقیقت کو اِس طرح ثابت کیا کہ مولانا اشرف علی تھانوی کی بیعت کر لی۔ عبدالماجد دریابادی کے بارے میں بھی خیال ہوتا ہے کہ شاید اِسی جماعت کے فرد تھے، لیکن اُن کی داستان حیات یہی ہے کہ دانش گاہ الحاد سے نکلے اور سیدھے تھانہ بھون کی خانقاہ میں پہنچ گئے۔ ابوالکلام اِس دور کے عبقری تھے، اُن کی تحریر و خطابت نے ایک زمانے کو متاثر کیا۔ وہ آئے تو لگتا تھا کہ صحراؤں کی وسعتیں سمٹ گئیں اور دریاؤں کا زور اُن کے سامنے ٹوٹ گیا ہے، لیکن اُن کے علم و عمل کی ناقہ خود اپنے ہی غبار میں گم ہو گئی۔ ابوالاعلیٰ عالم بھی تھے اور صاحب طرز انشاپرداز بھی۔ اُن کے حسن طبیعت میں حسن فطرت کی جھلک تھی۔ وہ اُن کے بعد اِس شان سے اِس راہ پر چلے کہ ہر شخص نے یہی خیال کیا کہ اب منزل پر پہنچ کر ہی دم لیں گے۔ اِس میں شبہ نہیں کہ وہ بہت آگے گئے، لیکن پھر بھی کتنا پیچھے رہ گئے، اِس کا اندازہ کوئی شخص اگر کرنا چاہے تو مثال کے طور پر قرآن مجید کی آیت 'فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا' کے بارے میں فراہی کی تحقیق اور اُن کی تفسیر کو ایک نظر دیکھ لے۔ میں نے آخری عمر میں اُنھیں بہت قریب سے دیکھا ہے۔ پاس ادب مانع رہا، ورنہ بارہا جی چاہا کہ اُن کی خدمت میں عرض کروں:

بال بکشا و صفیر از شجر طوبیٰ زن
حیف باشد چو تو مرغے کہ اسیر قفسی

اِس دبستان میں جس شخص کو امام العصر کہنا چاہیے، وہ تنہا حمید الدین فراہی ہیں۔ وہ اِس زمین پر خدا کی آیات میں سے ایک آیت تھے۔ سید سلیمان ندوی سے سنیے، وہ اُن کی وفات پر لکھتے ہیں:

''الصلوٰۃ علیٰ ترجمان القرآن (مفسر قرآن کی نماز جنازہ) وہ صدا ہے جو آج سے ساڑھے چھ سو برس پیشتر مصر و شام سے چین کی دیواروں تک ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی نماز جنازہ کے لیے بلند ہوئی تھی۔ حق یہ ہے کہ یہ صدا آج پھر بلند ہو اور کم از کم ہندوستان سے مصر و شام تک پھیل جائے کہ اِس عہد کا ابن تیمیہ 11 نومبر 1930ء (19 جمادی الاخریٰ 1349ھ) کو اِس دنیا سے

رخصت ہو گیا۔ وہ جس کے فضل و کمال کی مثال آیندہ بظاہر حال عالم اسلامی میں پیدا ہونے کی توقع نہیں۔ جس کی مشرقی و مغربی جامعیت عہد حاضر کا معجزہ تھی۔ عربی کا فاضل یگانہ اور انگریزی کا گریجویٹ، زہد و ورع کی تصویر، فضل و کمال کا مجسمہ، فارسی کا بلبل شیراز، عربی کا سوق عکاظ، ایک شخصیت مفرد، لیکن ایک جہان دانش۔ ایک دنیاے معرفت، ایک کائنات علم، ایک گوشہ نشین مجمع کمال، ایک بے نوا سلطان ہنر، علوم ادبیہ کا یگانہ، علوم عربیہ کا خزانہ، علوم عقلیہ کا ناقد، علوم دینیہ کا ماہر، علوم القرآن کا واقف اسرار، قرآن پاک کا دانائے رموز، دنیا کی دولت سے بے نیاز، اہل دنیا سے مستغنی، انسانوں کے ردو قبول اور عالم کی داد و تحسین سے بے پروا، گوشۂ علم کا معتکف اور اپنی دنیا کا آپ بادشاہ۔ وہ ہستی جو تیس برس کامل قرآن پاک اور صرف قرآن پاک کے فہم و تدبر اور درس و تعلیم میں محو، ہر شے سے بے گانہ اور شغل سے ناآشنا تھی۔ افسوس کہ اُن کا علم اُن کے سینہ سے سفینہ میں بہت کم منتقل ہو سکا۔ مسودات کا دفتر چھوڑا ہے، مگر افسوس کہ اُس کے چھپنے اور ربط و نظام دینے کا دماغ اب کہاں۔ جو چند رسالے چھپے، وہ عربی میں ہیں، جن کے عوام کیا، علما تک ناقدر شناس ہیں۔ اُن کی زندگی ہمارے لیے سرمایۂ اعتماد تھی اور اُن کا وجود دارالمصنفین کے لیے سہارا تھا۔ افسوس کہ یہ اعتماد اور سہارا جاتا رہا اور صرف اُسی کا اعتماد اور سہارا رہ گیا جس کے سوا کسی کا اعتماد اور سہارا نہیں۔ اِس سے زیادہ افسوس یہ ہے کہ یہ ہستی آئی اور چلی گئی، لیکن دنیا اُن کی قدر و منزلت کو نہ پہچان سکی اور اُن کے فضل و کمال کی معرفت سے ناآشنا رہی:

تو نظیری ز فلک آمدہ بودی چو مسیح
باز پس رفتی و کس قدر تو نشناخت دریغ"

یہ شرف تنہا اِسی ہستی کو حاصل ہوا کہ اِس نے سفر شروع کیا تو پھر راہ نہیں چھوڑی۔ چنانچہ اِس راہ کے مسافروں میں منزل بھی تنہا اِسے ہی ملی۔ امین احسن اصلاحی اِسی نابغۂ عصر کے جانشین ہیں۔ وہ اپنے استاد سے آگے نہیں بڑھے تو پیچھے بھی نہیں رہے۔ حمید الدین جس مقام پر پہنچے تھے، اُن کی ساری عمر اُسی کے اسرار و رموز کی وضاحت میں گزری ہے۔ اُن کی "تدبر قرآن" تفسیر کی کتابوں میں ایک بے مثال شہ پارۂ علم و تحقیق ہے۔ اُن کے قلم سے پچاس برس کے معرکوں کی روداد سنیے تو بقول عرفی:

رمح او گوید اگر جنگ و گر صلح کہ من
بہ کشاد گرہ جبہۂ خاقاں رفتم

وہ عمر بھر جن لوگوں میں رہے، اُن میں کم ہی اِس کے اہل تھے کہ اُن کے فضل و کمال کو پہچانتے۔ میں نے اُن کی مجلس میں صدیوں کے عقدے لمحوں میں کھلتے دیکھے اور بارہا اعتراف کیا ہے کہ:

طے می شود ایں رہ بدر خشیدن برقے
ما بے خبراں منتظر شمع و چراغیم

اب اِس وقت دیکھیے، پہلے گروہ کی عمر پوری ہو چکی۔ اِس کی مثال اب اُس فرسودہ عمارت کی ہے جو نئی تعمیر کے وقت آپ سے آپ ویران ہو جائے گی۔ دوسرا گروہ، اگرچہ ابھی شرف و اقتدار کے ایوانوں پر قبضہ کیے ہوئے ہے، لیکن تاریخ کا فیصلہ یہی ہے کہ پرانی ضلالتوں کی طرح یہ ضلالت بھی کچھ عرصے کے بعد اُس کے صفحات ہی میں باقی رہ جائے گی۔ آنے والے دور کی امامت ''دبستان شبلی'' کے لیے مقدر ہے۔ تاریخ کے مرسج پر اب پس پردہ اِسی کے ظہور کی تیاری ہو رہی ہے۔

عالم نو ہے ابھی پردۂ تقدیر میں
میری نگاہوں میں ہے اُس کی سحر بے حجاب

لیکن یہ خود کس حال میں ہے؟

سید سلیمان ندوی کے خلف ابو الحسن علی ہیں، مگر وہ اُنھی کی طرح اب ندوہ سے زیادہ دیوبند میں ہیں۔ ابو الکلام اِس دنیا سے تنہا رخصت ہوئے۔ ابو الاعلیٰ نے جو لوگ اپنے پیچھے چھوڑے، اُن میں وہ بھی ہیں جو اُن کے جانشین ہوئے اور وہ بھی جن کا دعویٰ ہے کہ وہ اُنھی کی جانشینی میں لوگوں سے سمع و طاعت کی بیعت لے رہے ہیں۔ ابو الاعلیٰ کی میراث میں سے بہت سی چیزیں اُن دونوں کو ملیں، مگر اُن کے علم و ادب اور حسن طبیعت سے کوئی حصہ، افسوس ہے کہ اُنھیں نہیں مل سکا۔ چنانچہ اِن بے چاروں کے لیے اِس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ یہ اِسی پہلے گروہ کے دروازے پر ہاتھ پھیلائیں اور بار بار دھتکارے جائیں، یہاں تک کہ ''دبستان شبلی'' کی ہر 'غلطی' کا کفارہ بھر دیں۔ اِس جماعت میں، بے شک اِن کے علاوہ کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جن کے بارے

میں کوئی شخص اگر چاہے تو کہہ سکتا ہے کہ وہ کچھ پڑھے لکھے ہیں، لیکن حقیقت یہی ہے کہ اُن کی حیثیت بھی اِس سے زیادہ کچھ نہیں کہ ابو الاعلیٰ ہی کے متن کی شرح ہیں۔ عرفی نے صدیوں پہلے شاید اِنھی کے لیے کہا تھا:

قدم بروں منہ از جہل یا فلاطوں شو
کہ در میانہ گزینی سراب وتشنہ لبی ست

''دبستان شبلی'' کی آخری نشانی اب امین احسن ہی ہیں۔ اُن کے تلامذہ واحباب میں کتنے ہیں جو اِس حقیقت سے آگاہ ہیں؟ میں دیکھ رہا ہوں کہ پچھلے دس برس سے اِسی احساس کی آگ ہے جو میرے سینے میں سلگ رہی ہے۔ اِس کی چنگاریاں اپنی ہی راکھ میں دب جاتی ہیں، مگر بجھنے نہیں پاتیں:

کہ آتشے کہ نہ میرد ہمیشہ در دل ماست

کبھی جی چاہتا ہے کہ ابو الاعلیٰ کے جانشینوں سے کہوں:

دست ہر نااہل بیمارت کند
سوئے مادر آ کہ تیمارت کند

کبھی خیال آتا ہے کہ امین احسن کے حلقۂ سخن سے عرض کروں:

آں نیست کہ من ہم نفساں را بگذارم
با آبلہ پایاں چہ کنم قافلہ تیز است

دیکھیے، قلم کی سیاہی خشک ہو گئی۔ یہ حادثہ میرے ساتھ پہلی بار نہیں ہوا۔ میں نے جب بھی یہ داستان سنانی شروع کی، یہیں پہنچ کر ختم ہو گئی۔ کبھی لفظ جواب دے گئے، کبھی رشتۂ معنی میں گانٹھ پڑ گئی، کبھی سننے والے سو گئے، اور آج — قلم ایں جا رسید سر بشکست۔ یہ شاید، میرے لیے اِس حقیقت کی یاد دہانی ہے کہ:

سخن از تاب وتب شعلہ بہ خس نتواں گفت

[1987ء]

سید منظور الحسن

شق القمر

غامدی صاحب کا موقف

[محمد حسن الیاس کے ساتھ ایک مکالمے سے لیا گیا]

(10)

2۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا ذکر قرآنِ مجید کی سورۂ آل عمران اور سورۂ مائدہ میں آیا ہے۔ اِن مقامات پر اُن کے چار نمایاں معجزات بیان ہوئے ہیں۔ آلِ عمران میں بیان ہوا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے سیدہ مریم علیہا السلام کو مسیح علیہ السلام کی پیدایش کی بشارت دی تو اُنھوں نے سوال کیا کہ یہ کیوں کر ممکن ہے، جب کہ مجھے تو کسی مرد نے چھوا تک نہیں ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ ایسا ہی ہو گا، کیونکہ اللہ جس معاملے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اُس کے حکم سے وہ ہو جاتا ہے۔ اِس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کی رسالت سے آگاہ فرمایا اور بتایا کہ وہ اُنھیں بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گا۔ اِسی سلسلۂ بیان میں پھر سیدنا مسیح علیہ السلام کے چار معجزات کا ذکر آیا ہے۔ اِن میں سے ایک مٹی سے پرندہ تخلیق کرنا ہے، دوسرا مادرزاد اندھے کو بینا کرنا ہے، تیسرا کوڑھ کے مریض کو اِس لاعلاج مرض سے نجات دلانا ہے اور چوتھا مردوں کو زندہ کرنا ہے۔ اِس ضمن میں یہ بات نہایت صراحت سے

بیان ہوئی ہے کہ یہ تمام معجزات اللہ ہی کے حکم سے ظاہر ہوئے تھے۔[1] آیات درج ذیل ہیں:

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ وَلَدٌ وَّ لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ ؕ قَالَ کَذٰلِکِ اللّٰہُ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ.	”وہ بولی: پروردگار، میرے ہاں بچہ کہاں سے ہو گا، مجھے تو کسی مرد نے چھوا تک نہیں۔ فرمایا: اِسی طرح اللہ جو چاہے، پیدا کرتا ہے۔ وہ جب کسی معاملے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اُس کو اتنا ہی کہتا ہے کہ ہو جا، پھر وہ ہو جاتا ہے۔
وَ یُعَلِّمُہُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَۃَ وَ التَّوْرٰىۃَ وَ الْاِنْجِیْلَ. وَ رَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۙ اَنِّیْ قَدْ جِئْتُکُمْ بِاٰیَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ ۙ.	(لہٰذا اِسی طرح ہو گا) اور اللہ اُسے قانون اور حکمت سکھائے گا، یعنی تورات و انجیل کی تعلیم دے گا۔ اور اُس کو بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گا۔ (چنانچہ یہی ہوا اور اُس نے بنی اسرائیل کو دعوت دی کہ) میں تمھارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں۔
اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَۃِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْہِ فَیَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰہِ ۚ وَ اُبْرِئُ الْاَکْمَہَ وَ الْاَبْرَصَ وَ اُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ ۚ وَ اُنَبِّئُکُمْ بِمَا تَاْکُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِیْ بُیُوْتِکُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ	میں تمھارے لیے مٹی سے پرندے کی ایک صورت بناتا ہوں، پھر میں اُس میں پھونکتا ہوں تو اللہ کے حکم سے وہ فی الواقع پرندہ بن جاتی ہے؛ اور مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرتا ہوں؛ اور اللہ کے حکم

[1] ۔ اِن میں سے دوسرے اور تیسرے معجزے کا ذکر انجیل میں بھی آیا ہے۔ فرق یہ ہے کہ قرآن میں اِن میں سے ہر ایک کے ساتھ باذن اللہ کی قید لگی ہوئی ہے، لیکن انجیل میں یہ تصریح نہیں ہے۔ قرینِ قیاس ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے خدا کا تصور پیدا ہوا ہو گا تو ایسے الفاظ اِس تصور سے بے جوڑ سمجھ کر حذف کر دیے گئے ہوں گے۔

مُّؤۡمِنِيۡنَ. (آل عمران 3:49-47)

سے مردوں کو زندہ کر دیتا ہوں؛ اور میں تمھیں بتا سکتا ہوں، جو کچھ تم کھا کر آتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع کر رکھتے ہو۔ اِس میں تمھارے لیے یقیناً ایک بڑی نشانی ہے، اگر تم ماننے والے ہو۔"

3۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات

رسالت مآب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بڑا معجزہ دیا گیا، وہ قرآنِ مجید ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے خود اپنا مبارک کلام آپ کی زبانِ فیض ترجمان پر جاری فرما دیا۔ اِس کے الفاظ، اِس کے جملے، اِس کے اسالیب، اِس کے مضامین، اِس کے اخبار، اِس کے احکام، سب اللہ پروردگارِ عالم کے ہیں۔ اِسی بنا پر یہ ایک ایسا معجزہ ہے، جو اپنی ذات میں یکتا، اپنی نوعیت میں بے مثل، اپنے شہود میں کامل اور اپنے ظہور میں لازوال ہے۔

یہ بلاشبہ، خارقِ عادت ہے، کیونکہ انسانی تاریخ میں یہ واحد کتاب ہے، جس کے متن میں نہ کوئی تضاد و تناقض ہے، اور نہ تنزل و ارتقا۔ زبان و ادب اِس کی فصاحت و بلاغت اور لطافت و حلاوت کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ اِس میں کمال معنویت ہے، بلند خیالی ہے، ژرف نگاہی ہے، وسعتِ نظری ہے۔ یہ عالم الغیب والشہادہ کا قول ہے، لہٰذا کرۂ ارض پر یہ تنہا نوشت ہے، جو مکان و لامکان، دونوں سے باخبر کرتی ہے۔ اِسے پڑھیے تو ماضی کے گم شدہ حقائق واشگاف ہوتے اور مستقبل کے نامعلوم اخبار معلوم ہوتے ہیں۔ چنانچہ ہر صاحبِ عقل خواہی ناخواہی یہ ماننے پر مجبور ہے کہ یہ علم و عرفان کا مرقع، دین و اخلاق کا خزانہ اور شریعت و حکمت کا مجموعہ ہے اور انسانوں کی رشد و ہدایت اور فوز و فلاح کے لیے اِس سے بہتر نسخہ زمین پر دستیاب نہیں ہے۔

استاذِ گرامی اِس کے اعجاز کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو معجزہ اِس حیثیت سے دیا گیا، وہ قرآن ہے۔ عربی زبان کے اسالیبِ بلاغت اور علم و ادب کی روایت سے واقف ادبی ذوق کے حاملین اِسے پڑھتے ہیں تو صاف محسوس کرتے ہیں کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ایک سے زیادہ مقامات پر اِس نے خود اپنے مخاطبین کو چیلنج کیا ہے کہ وہ اگر اپنے اِس گمان میں سچے ہیں کہ یہ خدا کا کلام

نہیں ہے، بلکہ محمد اِسے اپنی طرف سے گھڑ کر پیش کر رہے ہیں تو جس شان کا یہ کلام ہے، اُس شان کی کوئی ایک سورت ہی بنا کر پیش کریں۔ اُن کی قوم کا ایک فرد اگر اُن کے بقول بغیر کسی علمی اور ادبی پس منظر کے یہ کام کر سکتا ہے تو اُنھیں بھی اِس میں کوئی دقت نہ ہونی چاہیے۔

قرآن کا یہ دعویٰ ایک حیرت انگیز دعویٰ تھا۔ اِس کے معنی یہ تھے کہ قرآن ایک ایسا کلام ہے، جس کے مانند کوئی کلام انسانی ذہن کے لیے تخلیق کرنا ممکن نہیں ہے۔ یہ فصاحت و بلاغت اور حسن بیان کے لحاظ سے قرآن کی غیر معمولی انفرادیت کا دعویٰ تھا۔ یہ اِس بات کا دعویٰ تھا کہ وہ کوئی ایسا کلام پیش کریں، جس میں قرآن ہی کی طرح خدا بولتا ہوا نظر آئے، جو اُن حقائق کو واضح کرے، جن کا واضح ہونا انسانیت کی شدید ترین ضرورت ہے اور وہ کسی انسان کے کلام سے کبھی واضح نہیں ہوئے، جو اُن معاملات میں رہنمائی کرے، جن میں رہنمائی کے لیے کوئی دوسرا ذریعہ سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ ایک ایسا کلام جس کے حق میں وجدان گواہی دے، علم و عقل کے مسلمات جس کی تصدیق کریں، جو ویران دلوں کو اِس طرح سیراب کر دے، جس طرح مردہ زمین کو بارش سیراب کرتی ہے، جس میں وہی شان اور وہی تاثیر ہو، جو قرآن کا پڑھنے والا، اگر اُس کی زبان سے واقف ہو تو اُس کے لفظ لفظ میں محسوس کرتا ہے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ قرآن کے مخاطبین میں سے کوئی بھی اِس چیلنج کا سامنا کرنے کی جرأت نہیں کر سکا۔ ارشاد فرمایا ہے:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَ ادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ. فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ لَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ ۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ.	”(یہی اِس کتاب کی دعوت ہے، اِسے قبول کرو)، اور جو کچھ ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے، اُس کے بارے میں اگر تمھیں شبہ ہے تو (جاؤ اور) اِس کے مانند ایک سورہ ہی بنا لاؤ اور (اِس کے لیے) خدا کے سوا تمھارے جو زعما ہیں، اُنھیں بھی بلا لو، اگر تم (اپنے اِس گمان میں) سچے ہو۔“
(البقرہ2:24-23)	

خدا کی یہ کتاب اِس وقت بھی ہمارے پاس موجود ہے۔ اِس پر کم و بیش چودہ صدیاں گزر چکی ہیں۔ اِس عرصے میں دنیا کیا سے کیا ہو گئی۔ بنی آدم نے نظریہ و خیال کے کتنے بت تراشے اور

پھر خود ہی توڑ دیے۔ انفس وآفاق کے بارے میں انسان کے نظریات میں کتنی تبدیلیاں آئیں اور اُس نے ترک واختیار کے کتنے مرحلے طے کیے۔ وہ کس کس راہ سے گزرا اور بالآخر کہاں تک پہنچا، لیکن یہ کتاب جس میں بہت سی وہ چیزیں بھی بیان ہوئی ہیں، جو اِن پچھلی دو صدیوں میں علم وتحقیق کا خاص موضوع رہی ہیں، دنیا کے سارے لٹریچر میں بس ایک ہی کتاب ہے، جو اِس وقت بھی اُسی طرح اٹل اور محکم ہے، جس طرح اب سے چودہ سو سال پہلے تھی۔ علم و عقل اِس کے سامنے جس طرح اُس وقت اعترافِ عجز کے لیے مجبور تھے، اُسی طرح آج بھی ہیں۔ اِس کا ہر بیان آج بھی پوری شان کے ساتھ اپنی جگہ پر قائم ہے۔ دنیا اپنی حیرت انگیز علمی دریافتوں کے باوجود اُس میں کسی ترمیم وتغیر کے لیے کوئی گنجایش پیدا نہیں کر سکی:

وَ بِالۡحَقِّ اَنۡزَلۡنٰہُ وَ بِالۡحَقِّ نَزَلَ ؕ وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِیۡرًا۔ (بنی اسرائیل 17:105)

”ہم نے اِس قرآن کو حق کے ساتھ اتارا ہے اور یہ حق ہی کے ساتھ اترا ہے اور ہم نے، (اے پیغمبر)، تم کو صرف اِس لیے بھیجا ہے کہ (ماننے والوں کو) خوش خبری دو اور (نہ ماننے والوں کو) متنبہ کر دو۔““

(میزان 138-136)

قرآنِ مجید کے اِس عظیم الشان معجزے کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حالات کے لحاظ سے وقتاً فوقتاً مختلف معجزے عطا کیے جاتے رہے ہیں۔ یہاں واضح رہے کہ اللہ کے رسول کی ذات بذاتِ خود ایک عظیم معجزہ ہوتی ہے۔ اللہ اُس سے ہم کلام ہوتا ہے، جبریل امین اُس تک اللہ کا پیغام پہنچاتے ہیں، وہ فرشتوں کی معیت میں ہوتا ہے، اُس کی زبان سے اللہ کا کلام جاری ہوتا ہے۔ وہ آسمان سے خبریں پا کر لوگوں کو غیب سے مطلع کرتا ہے، فیوض وبرکات اُس کے وجود سے صادر ہوتے ہیں۔ شاید ہی کوئی دن ہو، جب اللہ کی کوئی آیت، کوئی نشانی اُس کے ماحول میں یا اُس کے وجود سے صادر نہ ہوئی ہو۔ اِس نوعیت کی بعض نشانیاں قرآنِ مجید میں اور بعض حدیث اور سیرت کی کتابوں میں مذکور ہیں۔[2] اِن میں سے بہ طورِ مثال دو معجزات کا تذکرہ درجِ ذیل ہے۔

2۔ بعض محققین نے اِن کا استقصا کر کے دلائل النبوہ اور معجزات النبی کے عنوانات کے تحت باقاعدہ

ایک معجزہ جنگِ بدر کا ہے، جب آپ نے مٹھی بھر خاک کفار کے لشکر کی طرف پھینکی تو وہ ریت کا طوفانی غبار بن کر منکرین کی آنکھوں میں داخل ہو گئی۔ اِس معجزے کا ذکر قرآن میں بھی آیا ہے اور روایتوں میں بھی بعض تفصیلات مذکور ہیں۔ سورۂ انفال میں ارشاد ہے:

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ.(17:8)

”(ایمان والو، تم کیوں جان چراؤ، جب کہ تمھاری طرف سے خدا لڑتا ہے)؟ سو حقیقت یہ ہے کہ (اِس جنگ میں) تم نے اِن کو قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ نے اِن کو قتل کیا ہے اور، (اے پیغمبر)، جب تو نے اِن پر (خاک) پھینکی تو تو نے نہیں پھینکی، بلکہ اللہ نے پھینکی ہے، اِس لیے کہ منکروں کو اپنی شانیں دکھائے اور اِس لیے کہ مسلمانوں کو اللہ اپنی طرف سے اچھا انعام عنایت فرمائے۔ بے شک، اللہ سمیع و علیم ہے۔“

امام امین احسن اصلاحی نے اِس مقام کی وضاحت کے لیے ”پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی آستین سے دستِ غیب کے کارنامے“ کا عنوان قائم کیا ہے اور اُس کے تحت لکھا ہے:

”’فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ‘ میں خطاب عام مسلمانوں سے ہے اور ’وَمَا رَمَيْتَ‘ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ اِس وجہ سے دونوں میں جمع اور واحد کا فرق ہے۔ ’رمی‘ تیر مارنے، کنکر پتھر پھینکنے، خاک اور راکھ جھونکنے، سبھی کے لیے آتا ہے۔ روایات میں ہے کہ جب کفار کی فوجیں سامنے ہوئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹھی بھر خاک زمین سے اٹھائی اور ’شاھت الوجوہ‘ کہہ کر کفار کی طرف پھینکی۔ ’شاھت الوجوہ‘ عربی میں لعنت کا فقرہ ہے اور کسی کے اوپر خاک جھونکنا نہایت قدیم زمانہ سے لعنت کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ تورات میں بھی اِس کا ذکر

کتابیں بھی تصنیف کی ہیں۔

آتا ہے اور عرب کی روایات سے بھی اِس کا پتا چلتا ہے۔ سورۂ فیل کی تفسیر میں مولانا فراہی نے اِس کے حوالے دیے ہیں۔ یہاں زبان کا یہ اسلوب بھی نگاہ میں رہے کہ بعض مرتبہ فعل کی نفی سے مقصود نفس فعل کی نفی نہیں ہوتی، بلکہ اُس فعل کے ساتھ اُن شان دار نتائج کی نسبت کی نفی ہوتی ہے، جو اُس فعل کے پردے میں ظاہر ہوئے۔ مٹھی بھر نہتے مسلمانوں کا قریش کی دل بادل غرقِ آہن فوج کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر ڈال دینا یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک سے پھینکی ہوئی چٹکی بھر خاک کا ایک ایسا طوفان بن جانا کہ تمام کفار کو اپنی اپنی آنکھوں کی پڑ جائے، یہ مسلمانوں کی چیتھڑوں میں لپٹی ہوئی تلواروں یا پیغمبر کی 'رمی' کے کارنامے نہیں تھے، بلکہ اُس دستِ غیب کے کارنامے تھے، جو مسلمانوں کی میانوں اور پیغمبر عالم کی آستینوں میں چھپا ہوا تھا۔'' (تدبر قرآن 3/ 451)

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی ایک مثال اللہ کی طرف سے نازل کردہ پیشین گوئیاں ہیں، جن کا اعلان آپ کی زبانِ مبارک سے ہوا۔ اِن میں سے بعض کا ذکر قرآنِ مجید میں ہوا ہے اور بعض روایتوں میں منقول ہیں۔ سرزمین عرب میں آپ کے غلبے، ام القریٰ مکہ کی فتح اور لوگوں کے جوق در جوق دین میں داخل ہونے کے عظیم اور غیر متوقع واقعات کے وقوع سے بہت پہلے آپ نے مطلع فرما دیا تھا۔ ایرانیوں سے مغلوب ہو جانے کے بعد رومیوں کی دوبارہ فتح کی پیشین گوئی بھی ایسی ہی وہم و گمان سے ماورا اور امید و امکان سے بالا تھی۔ قرآنِ مجید میں یہ اِس طرح بیان ہوئی ہے:

غُلِبَتِ الرُّوْمُ. فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۙ. فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۭ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ. بِنَصْرِ اللّٰهِ ۭ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۙ. وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ. (الروم 30: 6-2)

''رومی مغلوب ہو گئے ہیں۔ قریب کی سرزمین میں، لیکن اپنی اِس مغلوبیت کے بعد وہ جلد ہی غالب ہو جائیں گے۔ اگلے چند برسوں میں۔ اِس سے پہلے جو کچھ ہوا ہے، وہ بھی اللہ کے حکم سے ہوا ہے اور جو کچھ بعد میں ہو گا، وہ بھی اللہ ہی کے حکم سے ہو گا اور ایمان والے اُس دن اللہ کی مدد سے مسرور ہوں گے۔ اللہ جس کی چاہتا

ہے، مدد فرماتا ہے اور وہ زبردست بھی ہے
اور بڑا مہربان بھی۔ اللہ کا حتمی وعدہ ہے اور
اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا، مگر
اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔‘‘

استاذ گرامی نے اِس واقعے کی تفصیل اِن الفاظ میں کی ہے:

’’اصل میں ’اَدۡنَی الۡاَرۡضِ‘ کے الفاظ آئے ہیں۔ اِن سے مراد یہاں شام و فلسطین کی سرزمین ہے، جو عرب کی سرزمین کے بالکل متصل تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تو اُس وقت دنیا میں دو بڑی سلطنتیں تھیں: ایک مسیحی رومی سلطنت، دوسرے مجوسی ایرانی سلطنت۔ دونوں میں ہمیشہ رقیبانہ کشمکش جاری رہتی تھی۔ 603ء کا واقعہ ہے کہ ایک بغاوت کو فرو کرنے کا بہانہ بنا کر ایران نے رومی سلطنت پر حملہ کر دیا۔ اِس کے بعد رومیوں کو شکست پر شکست ہوتی رہی، یہاں تک کہ 616ء تک یروشلم سمیت روم کی مشرقی سلطنت کا بڑا حصہ ایرانیوں کے قبضے میں چلا گیا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا چھٹا یا ساتواں سال تھا۔ قرآن نے یہ پیشین گوئی 617ء اور 620ء کے درمیان کسی وقت کی ہے۔ ’’زوال روما‘‘[3] کے مصنف ایڈورڈ گبن کا بیان ہے کہ یہ جس زمانے میں کی گئی، اُس وقت کوئی بھی پیشگی خبر اتنی بعید از وقوع نہیں ہو سکتی تھی، اِس لیے کہ رومی حکمران ہرقل کے پہلے بارہ سال رومی سلطنت کے خاتمے کا اعلان کر رہے تھے۔ قرآن نے صراحت کے ساتھ فرمایا کہ بہت دن نہیں لگیں گے، یہ زیادہ سے زیادہ اگلی دہائی (بِضۡعِ سِنِیۡنَ) کے اندر پوری ہو جائے گی۔ چنانچہ ٹھیک اِس اعلان کے مطابق یہ پوری ہو گئی اور مارچ 628ء میں رومی حکمران اِس شان سے قسطنطنیہ واپس آیا کہ اُس کے رتھ کو چار ہاتھی کھینچ رہے تھے اور بے شمار لوگ دارالسلطنت کے باہر چراغ اور زیتون کی شاخیں لیے اپنے ہیرو کے استقبال کے لیے موجود تھے۔

اِس تعیین و تصریح کے ساتھ اور اِس حتمی اسلوب میں یہ پیشین گوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے اثبات کی دلیل کے طور پر کی گئی۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیحیوں کے

---

[3]۔ زوال روما، ایڈورڈ گبن 2/788۔

ساتھ مذہبی قربت، قرآن کی دعوت اور مسلمانوں کے ساتھ، خاص طور پر حبشہ میں اُن کے طرز عمل کی وجہ سے مسلمان قدرتی طور پر اُن سے ہم دردی رکھتے تھے۔ قرآن نے اُنھیں اطمینان دلایا کہ وہ رنجیدہ خاطر نہ ہوں، اُن کے اہل کتاب بھائی عنقریب غلبہ حاصل کر لیں گے اور یہ پیشین گوئی اُس نبوت کی بھی بہت بڑی دلیل بن جائے گی، جس پر وہ ایمان لائے ہیں، اِس لیے کہ خدا کے سوا کوئی بھی ایسی صراحت اور حتمیت کے ساتھ مستقبل کے بارے میں اِس طرح کی خبر نہیں دے سکتا۔“(البیان 4 / 44-43)

[باقی]

محمد ذکوان ندوی

رفقاے ”المورد“ کے نام

[حال میں رفقاے ”المورد“ کی آن لائن کلاس پر فلسفہ کا درس تکمیل کو پہنچا تو یہ سوال پیدا ہوا کہ اب درس کے لیے کس موضوع کا انتخاب کیا جائے۔ اِس موقع پر رفقاے ”المورد“ کے نام درج ذیل خط لکھا گیا۔ مصنف]

استاذِ گرامی جناب جاوید احمد غامدی کے ساتھ نظم، فلسفہ، شعر و ادب اور اصول و مبادی جیسے قیمتی موضوعات پر گفتگو بہت خوب ہے۔ مگر اب ضرورت ہے کہ قدیم روایتی اور محض نظریاتی قسم کے موضوعات کی علمی افادیت کے باوجود اِسی کے ساتھ، انسانیت کو درپیش اُن حقیقی اور عملی چیزوں کو بھی اپنی گفتگو کا موضوع بنایا جائے جن میں سے بعض کا ذکر ماہ نامہ ”اشراق“ ہند (جولائی 2020ء) کے رشحات (انسان رخی طرز فکر) میں کیا جا چکا ہے اور جو کورونا اور کورونا کے نام پر برپا مابعد کورونا دور میں انسانیت کو درپیش ہیں۔

اس کی طرف میں اس سے قبل بھی متعدد بار توجہ دلا چکا ہوں۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ ادارہ ”المورد“ معروف معنوں میں نہ کوئی محض ایک روایتی قسم کا ادارہ ہے اور نہ اُس کے سنجیدہ اور باصلاحیت احباب میری طرح محض ایک مولوی۔ ”المورد“ اپنے منظم ماحول، اپنی برتر اخلاقیات، اپنی علمی اور فکری وسعت و گہرائی اور اُس کے بہت سے احباب اپنے جدید تعلیمی پس منظر کی بنا پر

شاید دوسرے بہت سے لوگوں کی بہ نسبت زیادہ اس پوزیشن میں ہیں کہ وہ وقت کے حقیقی مسائل کو زیادہ بہتر طور پر ایڈریس کر سکیں۔ عالمی نیٹ ورک پر بعض مرتبہ اس قسم کے "علمی مباحث" اور لاحاصل "فنی مہارت" کا دنگل دیکھ کر اکثر یہ خیال آتا ہے کہ جن چیزوں پر فراہی سے لے کر غامدی تک کے جلیل القدر اہل علم مسلسل لکھتے اور بولتے رہے ہیں، جدید بحرانی حالات میں بھی محض اُنھی پر اکتفا کر کے صرف اُنھی کا اعادہ اور انھی کا چرچا اپنے وقت اور توانائی کا شاید کوئی زیادہ بہتر استعمال نہیں ہو سکتا۔ بسا وقت دل چاہتا ہے کہ اِس قسم کے مخلص اور بیش قیمت احباب، غالب کی زبان میں اِس معذرت کے ساتھ کہ:

میں جو گستاخ ہوں، آئین غزل خوانی میں
یہ بھی تیرا ہی کرم، ذوق فزا ہوتا ہے
رکھیو غالب، مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے!

شاعرِ حقیقت علامہ اقبال کی زبان میں عرض کیا جائے:

اے اہل نظر، ذوق نظر خوب ہے، لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے، وہ نظر کیا!
مقصودِ ہنر سوزِ حیاتِ ابدی ہے
یہ ایک نفس یا دو نفس مثلِ شرر کیا!
جس سے دلِ دریا متلاطم نہیں ہوتا
اے قطرۂ نیساں، وہ صدف کیا، وہ گہر کیا!
شاعر کی نوا ہو کہ مغنی کا نفس ہو
جس سے چمن افسردہ ہو، وہ بادِ سحر کیا!
بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں
جو ضربِ کلیمی نہیں رکھتا، وہ ہنر کیا!؟

واقعات بتاتے ہیں کہ شافعی سے لے کر شاطبی تک تادمِ تحریر، ہمارے بیش تر قیمتی ذہن قدیم 'مذہبی' جنگل کے ایک مسافر، فقہی، اصولی اور کلامی دنیا کے صحرا نورد اور بعد کو پیدا کردہ قدیم و

جدید دفتر بے معنی کے محض ایک 'حمال' (یَحمِلُ أسفاراً) بن کر رہ گئے ہیں۔ ہمارے اکثر متعربین و متغربین اور قدیم و جدید جامعات کے فارغین، اسی زنداں کے اسیر اور اِسی مابعد عہد رسالت تکییف (conditioning) کا شکار ہیں، خصوصاً وہ مذہبی شاکلہ جو 661 عیسوی کے بعد برپا کیا گیا۔

چنانچہ اب ہمارے ادارے عام طور پر اپنے مخصوص خول میں بند ہو کر عملاً صرف ایک ایسا قیمتی دار الاشاعت بن چکے ہیں، جہاں سے پیدا ہونے والے لٹریچر کا بڑا حصہ اپنی تمام تر افادیت کے باوجود انسانیت کے زخم کا مرہم، اُس کے درد کا درماں اور اُس کو درپیش عملی چیلنجز کے حقیقی جواب سے یکسر خالی نظر آتا ہے۔ اِس بے علم و عمل راقم الحروف سمیت یہاں ایسے لکھنے اور بولنے والوں کی کثرت ہے کہ "ابن مریم" ہونے کے باوجود جن کے پاس انسانیت کے درد کی اکثر کوئی دوا نہیں ہوتی۔ یہاں ایسی سرگرمیاں جاری ہیں جو انسان رخی سرگرمیاں نہیں، جن میں انسانیت عامہ کی بھلائی اور اُس کی فلاح کا واقعتاً کوئی سنجیدہ علمی پروگرام نہیں ہوتا۔

حالات کا تقاضا اور وقت کی پکار یہی ہے کہ اب ایسے لوگ اٹھیں جو اس خرمن مستعار کے خاکستر سے ایک نئی دنیا پیدا کریں اور اِس طرح عالم افکار میں وہ جبریل آشوب زلزلہ برپا ہو جس کا شاید آج زمین و آسمان کو سب سے زیادہ انتظار ہے:

بال بکشا و صفیر از شجرِ طوبیٰ زن
حیف باشد چو تو مرغے کہ اسیر قفسی!

15 / ستمبر 2020

والسلام

محمد ذکوان ندوی، لکھنؤ

ریحان احمد یوسفی

اللہ کی راہ میں خرچ اور قرآن

اللہ کی راہ میں خرچ کرنا دین اسلام کے بنیادی مطالبات میں سے ایک ہے۔ یہ مطالبہ اتنا غیر معمولی ہے کہ محتاج اور ضرورت مند لوگ جو خود خرچ کرنے کے قابل نہ ہوں، وہ اگر دوسروں کو خود پر ترجیح دیں اور دوسروں کو ملنے والی چیزوں پر اپنے دل میں تنگی محسوس نہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی اس بے غرضی کی بنا پر آخرت میں ان کی فلاح کا فیصلہ سنا دیتے ہیں۔ (الحشر 9:59)۔

مال کی محبت پر آخرت کو ترجیح دینا ہی تمام تر انفاق کی بنیاد ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مال دراصل دنیا کے قائم مقام ہے جس سے دنیا کی ہر چیز خریدی جا سکتی ہے۔ مگر آخرت کے طلب گاروں کو زیادہ سے زیادہ اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنا چاہیے کیونکہ آخرت میں اس کا اجر بے حد و حساب ہے۔ اس حوالے سے قرآن مجید کی کچھ رہنمائی قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

قرآن اپنی ابتدا ہی میں انفاق کے حکم میں یہ بتا دیتا ہے کہ لوگ جو بھی خرچ کرتے ہیں وہ درحقیقت ان کی مِلک ہی نہیں ہوتا، بلکہ یہ سرتاسر اللہ کی عطا ہوتی ہے، (البقرہ 2:3)۔ یہ احساس ملکیت ہی انسان کو مال خرچ کرنے میں مانع ہوتا ہے۔ جب اسے یقین ہو جاتا ہے کہ جو کچھ ہے وہ اللہ کا ہے تو پھر وہ اس میں سے خرچ کرتے ہوئے تنگ دل نہیں ہوتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ جس نے دیا ہے وہ کبھی بھی لے سکتا ہے۔ اسی بات کو یوں بھی بیان کیا گیا ہے کہ جس مال پر تمھیں امین بنایا گیا ہے، اس میں سے خرچ کرو، (الحدید 7:57)۔

یہی وہ پس منظر ہے جس میں حکم دیا گیا ہے کہ جو تمھاری ضرورت سے زائد ہے، وہ سب خرچ کر دو، (البقرہ 2: 219)۔ یہاں ضرورت سے زائد کا مطلب اپنی اور اپنے اہل خانہ کی حال و مستقبل کی حقیقی ضروریات سے زیادہ مال ہے۔ یہ مطلب بھی نہیں کہ اس سے زائد مال کو سڑک پر پھینک دیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ جب کوئی ضرورت مند آجائے تو پھر یہ اضافی مال اس کا حق ہے جو اسے دے دینا چاہیے۔

پھر قرآن یہ حکم دیتا ہے کہ مال دیں تو نہ احسان جتلائیں نہ لینے والوں کی دل آزاری کریں، (البقرہ2:264)۔ اس سے اجر ضائع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح گھٹیا مال دوسروں کو نہ دیا جائے، (البقرہ 2:267)۔ اپنا مال علانیہ اور چھپا کر، دونوں طرح اللہ کی راہ میں دیا جا سکتا ہے، (البقرہ 2:271) علانیہ دینے سے دوسروں کو بھی تلقین ہوتی ہے، لیکن چھپا کر دینا نفس کی تربیت کے لیے بہتر ہے کہ اس میں ریاکاری کا اندیشہ نہیں ہوتا۔

مال رشتہ داروں، محتاجوں، یتیموں، مسافروں اور سوال کرنے والوں اور کسی بھی طرح کی مصیبت میں گرفتار شخص پر خرچ کیا جا سکتا ہے، (البقرہ 2:177)۔ ان لوگوں کا خصوصی خیال کرنا چاہیے جو عزت نفس کی بنا پر ضرورت مند ہونے کے باوجود ہاتھ نہیں پھیلاتے، (البقرہ 2: 273) جو شخص ان سب باتوں کی رعایت کر کے خرچ کرے گا، اس کے لیے خوش خبری ہے کہ اس کا اجر کم از کم دس گنا اور حالات اور جذبے کے لحاظ سے سات سو گنا تک بڑھ سکتا ہے۔ جیسے جو لوگ خوش حالی کے ساتھ تنگی میں بھی مال دیتے ہیں، (آل عمران 3:134)۔ ان کا تنگی میں مال دینے کا اجر یقیناً خوش حالی سے بہت زیادہ ہو گا۔

خیال رہے کہ یہ زکوٰۃ سے آگے بڑھ کر خرچ کرنے کا ذکر ہے۔ زکوٰۃ تو فرض ہے اور اس فرض کی ادائیگی کا بھی بے حد اجر ہے اور ایک سفید پوش تو یہی ادا کر دے تو بہت ہے۔ لیکن زیادہ مال والوں کو زکوٰۃ سے آگے بڑھ کر خرچ کرنا چاہیے۔

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ مال کی اس نعمت کو ان قرآنی احکام کے مطابق خرچ کرتے ہیں، وہ قیامت کے دن اپنی اس تجارت پر بہت خوش ہوں گے۔ باقی لوگ اس روز اس بات کا ماتم کر رہے ہوں گے کہ ان کا مال پچھلی دنیا میں ضائع ہو گیا اور ابدی دنیا میں ان کے لیے کچھ نہیں۔

نعیم احمد بلوچ

حیاتِ امین

(سوانح مولانا امین احسن اصلاحی)

(9)

[صاحب تدبر قرآن کی وصیت کے مطابق
ان کے سوانح نگار نعیم احمد بلوچ کے قلم سے]

امام حمید الدین فراہی نے اپنے نظام فکر کے مطابق متعدد رہنما کتب تصنیف کیں۔ لیکن ایسی کتب کی تعداد بھی کم نہیں تھی جو ابھی زیر تصنیف تھیں اور وہ وفات پا گئے۔ امام فراہی کی یہ کتب نوٹس کی شکل میں تھیں۔ یہ علمی خزانہ ان کے خاص کمرے میں ایک صندوق میں بند تھا۔ ایک رات مدرسہ سے یہ صندوق چوری ہو گیا۔

ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی لکھتے ہیں کہ چوری کی رات مدرسے میں نہ مولانا اصلاحی موجود تھے اور نہ مولانا اختر احسن اصلاحی۔ یقیناً چوروں نے یہی گمان کیا ہو گا کہ اس صندوق میں کوئی قیمتی چیز ہے۔ تالا لگے صندوق سے یہی باور ہوتا تھا۔ وہ اسے اٹھا کر چلتے بنے۔

چور عمارت سے دور جا کر ایک کھیت میں اس ''قیمتی خزانے'' کو بر آمد کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ انھوں نے تالا توڑا۔ اب اس میں جو چیز بر آمد ہوئی وہ امام فراہی اور اس مدرسے کے لیے تو

یقیناً کسی خزانے سے کم نہیں تھا، لیکن چوروں کے لیے وہ ردی کاغذ تھے۔ یہ سردیوں کا موسم تھا۔ انھوں نے کچھ پلندے نکال کر انھیں آگ لگائی اور اس کی حرارت سے لطف اندوز ہوئے۔ انھیں کچھ خبر نہیں تھی کی وہ کیا غضب ڈھا رہے ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ انھوں نے تمام مسودات نہیں جلائے اور وہ صندوق وہیں چھوڑ کر فرار ہو گئے۔

صبح ہوئی تو کسی کی نظر اس ''پر اسرار'' صندوق پر پڑی۔ ادھر مدرسے میں بھی ہاہاکار مچی ہو گی کہ استاد امام کا صندوق چوری ہو گیا ہے۔ کھیتوں میں لاوارث صندوق ملنے کی اطلاع پا کر طلبہ وہاں پہنچے تو پہلے منظر نے تو انھیں شدید مضطرب کیا ہو گا۔ کٹے پھٹے اور جلے ہوئے مسودات، بکھرے کاغذات اور ٹوٹا ہوا صندوق۔ یہی منظر تھا جو سب کو سراسیمہ کر رہا تھا۔

اب بچے کھچے ''خزانے'' کو اکٹھا کرنے کا مرحلہ شروع ہوا۔ سب سمیٹ لیا گیا اور مدرسے میں آ کر دیکھا گیا کہ کتنی متاع لٹ چکی اور کیا باقی رہ گیا ہے۔ مولانا اختر اصلاحی حادثے کی خبر ملتے ہی وہاں پہنچ چکے تھے۔ مسودات کا معاینہ ہوا اور طلبہ و اساتذہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ جلنے والے کاغذوں میں غیر مطبوعہ مسودات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ جو جلے بھی ہیں، اس سے ہونے والا نقصان بہت زیادہ نہیں۔ اللہ کی خصوصی رحمت سے قریباً سبھی کچھ محفوظ تھا۔ البتہ ڈاکٹر شرف الدین لکھتے ہیں:

> ''کہا یہ جاتا ہے کہ مسودات کو کوئی نقصان نہیں ہوا، لیکن یہ تو وہ کہہ سکتا ہے جس کو ایک ایک چیز کی خبر ہو۔ چور اتنے پڑھے لکھے تو نہیں تھے کہ وہ صرف ردی کاغذ جلاتے، مسودات اور اہم کاغذات کو ہاتھ نہ لگاتے۔'' (ذکر فراہی 514)

شرف الدین مرحوم کا اندازہ اس لیے محل نظر ہے کہ وہ خود لکھتے ہیں کہ چوری کی اطلاع مولانا اختر احسن صاحب کو ملی تو فوراً مدرسے پہنچے اور سارا معاملہ سنبھالا کیونکہ ان کا گھر مدرسے کے قریب ہی تھا۔ ظاہر ہے کہ انھوں نے ہی یہ خبر دی ہو گی کہ کتنا نقصان ہوا ہے اور کتنا نہیں۔ پھر اس حادثے کے بعد امام فراہی کی جتنی بھی کتب شائع ہوئیں، ان میں سے کسی کے متعلق یہ نہیں کہا گیا کہ اس کا کچھ مسودہ جلنے کے باعث کتاب نامکمل ہے اور نہ ہی ایسی کسی بات کا سراغ ملتا ہے کہ امام فراہی نے فلاں موضوع پر لکھا تو تھا، لیکن وہ جل کر خاکستر ہو گیا۔ اس لیے اس روایت کو ماننے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے خصوصی کرم سے زیادہ نقصان نہیں ہوا۔

دائرۂ حمیدیہ کا قیام

ظاہر ہے کہ مدرستہ الاصلاح میں شروع ہی سے یہ کوشش رہی ہو گی کہ امام فراہی کی علمی دریافتوں کو اہل علم تک پہنچایا جائے۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے 1935ء میں دائرۂ حمیدیہ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ مدرستہ الاصلاح کا یہ ذیلی ادارہ ڈاکٹر حفیظ اللہ کی صدارت میں قائم ہوا۔ (ان کا تفصیلی تعارف ہم پہلے کرا چکے ہیں۔) نائب صدر عبد الغنی مقرر ہوئے۔ یہ اعلیٰ حکومتی عہدے دار تھے۔ اس ادارے کے بنیادی مقاصد تین تھے:

☆ ایک ماہ نامے کا اجرا کیا جائے۔ اس کا نام ''الاصلاح'' ہو گا۔ اس میں امام فراہی کی تصانیف اور دوسرے علمی مضامین شائع ہوں گے۔

☆ امام فراہی کی کتب کا اردو ترجمہ کیا جائے گا۔

☆ امام فراہی کی کتب کی اشاعت کا باقاعدہ اہتمام کیا جائے گا۔

یہ بھی طے ہوا کہ مولانا امین احسن اصلاحی اس سارے کاموں کی نگرانی کریں گے۔ وہی ''الاصلاح'' کے مدیر اور دوسرے مقاصد کے حصول کے لیے رفقاء کار کا انتخاب کریں گے۔

جنوری 1936 کو مولانا کی ادارت میں ''الاصلاح'' کا پہلا شمارہ منظر عام پر آیا۔ یہ 64 صفحات پر مبنی تھا۔ اس کی پیشانی پر خط نسخ میں رسالے کا نام ''الاصلاح'' درج تھا اور نیچے خط نستعلیق میں کاتب کے لکھے یہ الفاظ درج تھے: ''دائرۂ حمیدیہ کا ماہوار علمی و مذہبی رسالہ''۔ نیچے مدیر کے بجاے اسی طرح جلی حروف میں ''مرتبہ'' تحریر تھا اور پھر یہ نام درج تھا: ''امین احسن اصلاحی''۔ پورے صفحہ پر اس عبارت کے علاوہ کوئی عبارت درج نہیں تھی۔

واضح رہے کہ امین احسن نے کبھی بھی اپنے نام کے ساتھ ''مولانا'' کا سابقہ نہیں لکھوایا۔ وہ جب تک خود زندہ رہے، انھوں نے اپنی کتب پر صرف ''امین احسن اصلاحی'' ہی لکھوایا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ انھیں ''مولانا'' کا لفظ ناپسند تھا، بلکہ وہ کہا کرتے تھے کہ انسان کو خود سے اپنے نام کے ساتھ کوئی لقب یا خطاب وغیرہ نہیں لکھوانا چاہیے۔ البتہ جب ان کے شاگرد انھیں مولانا کہتے اور لکھتے تو وہ اسے ناپسند نہیں کرتے تھے۔ ہم انھیں مولانا کہہ کر مخاطب بھی کرتے تھے اور وہ اس پر معترض نہیں ہوتے تھے۔

ماہنامہ ''الاصلاح'' چار برسوں تک نکلتا رہا۔ اس کے ساتھ ساتھ امام فراہی کی کتب کے تراجم

بھی ہوتے رہے اور ان کی کتب کی اشاعت کا بھی اہتمام ہوتا رہا۔ عربی کے علاوہ امام فراہی نے اردو میں جو کچھ لکھا تھا، وہ جس بھی حالت میں تھا، اس کی اشاعت کا اہتمام بھی ہونے لگا۔

امام فراہی کے مذکورہ علمی کاموں کے ساتھ ساتھ خود مولانا اصلاحی کے تحقیقی و دعوتی اور تنقیدی مضامین بھی شائع ہوتے۔ یہ مولانا کی اولین علمی تحریریں ہیں۔ اس کی تفصیل ہم بعد میں درج کریں گے۔

اس کے ساتھ مدرسۃ الاصلاح سے وابستہ اساتذہ اور ادارے سے باہر کے علما اور دانش وروں کے وہ مضامین جو رسالے کے کڑے علمی معیار پر پورے اترتے، شائع ہوتے رہے۔ سب سے دل چسپ اور اہم تحریر وہ شذرات ہوتے جو بطور مدیر ''نوجوان اصلاحی'' خود لکھتے۔ اس میں ملکی حالات و واقعات کے ساتھ ملی مسائل و واقعات پر بھی مختصر، مگر جان دار تبصرہ ہوتا۔

پہلے شمارے کا اہل علم کی طرف سے شان دار استقبال کیا گیا۔ مولانا اصلاحی دوسرے شمارے فروری 1936 کے شذرے میں لکھتے ہیں:

> ''الاصلاح کا پہلا نمبر ڈرتے ڈرتے شائع کیا تھا۔ اس کے لیے بحث و نظر کا جو معیار اور نقشہ ذہن میں تھا، توقع نہ تھی کہ وقت کا مذاق و رجحان اس کو قبول کرے گا۔ اس کے ابواب و مطالب کا پیش نظر خاکہ، جب کبھی احباب کے سامنے پیش کیا گیا، انھوں نے اس سے اختلاف کیا کہ بازار میں ایسے رسالے کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔ لیکن طبیعت الحمدللہ ان اندیشوں سے مرعوب نہ ہوئی۔ البتہ یہ ضرور خواہش ہوئی کہ اگر راہ دشوار اور منزل دراز ہے تو زاد راہ سے غفلت نہ کیجیے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ اس نے اتنا سامان کر دیا۔ اگر اس کی توفیق رفیق اور تائید شامل حال ہے تو تجربہ و امتحان کی جو مدد ہم نے سامنے رکھی ہے، اس میں حالات کا مقابلہ زیادہ دشوار نہ ہو گا۔
>
> بایں ہمہ رسالے کے متعلق اس وقت تک جو آرا معلوم ہو سکی ہیں نہایت حوصلہ افزا ہیں۔ اس کی ظاہری شکل و صورت اور معنوی بلندی، دونوں نے اہل علم کی نگاہوں میں جگہ حاصل کی اور (ہم) اپنے حق سے محروم نہ رہے۔ رسالے کے قدردانوں میں عام اہل علم کے ساتھ ایسے اساطینِ علم و فن اور اکابر تصنیف و تالیف بھی ہیں جن کی رایوں پر بجا طور پر فخر کیا جاتا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ فسادِ مذاق کی عام وبا کے باوجود سچائی اور حقیقت کا قدرتی استحقاق

اب تک سلب نہیں ہوا ہے۔ دلوں میں اس کی جگہ خالی ہے۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ وبائے عام میں مرنے کی جگہ ہمت و عزیمت کے ساتھ حالات کی اصلاح کی سعی کی جائے۔ انسانی فطرت کا خمیر نیکی ہے، برائی نہیں ہے۔ باطل کا وجود اس لیے ہے کہ حق ناپید ہے۔ اگر حق پورے جلال و جمال کے ساتھ نمودار ہو جائے تو یقیناً دلوں میں اصلی جگہ اسی کے لیے ہو گی۔ کیونکہ قلب انسانی اسی کے بسنے کے لیے بنایا گیا ہے۔ بلاشبہ حق کی خدمت کرنا آسان کام نہیں ہے، لیکن اس میں لگ جانے کو ہم کیوں ناممکن سمجھنے لگیں؟''

اس کے بعد رسالے کے مشمولات کے بارے میں ایک شکوے کا ذکر کرتے ہوئے مولانا لکھتے ہیں:

''بعض ہم دردوں اور خریداروں نے رسالے کے مطابق رسالے کے شِکال کی شکایت کی ہے۔ اس شکایت کا تذکرہ پہلے نمبر میں ہم خود ہی کر چکے ہیں اور وہیں اس کا جواب بھی ہو گیا ہے۔ اعادے کی ضرورت نہیں۔ بلاشبہ رسالے کے بعض ابواب صرف اہل علم کے لیے مخصوص ہیں۔ اس لیے قدرتی طور پر عام لوگ ان سے باآسانی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ لیکن کچھ حصہ ایسا بھی ہے جو عام استعداد کو پیش نظر رکھ کر مرتب کیا جاتا ہے۔ اس میں اگر کوئی اشکال ہے تو وہ اسلوب نگارش و تحریر و علمی اصطلاحات کا پیدا کردہ نہیں ہے، بلکہ وہ خود مطالب و مقاصد کی بلندی ہے جو ہماری عام ذہنی پستی اور عقلی نارسائی کی وجہ سے بلند تر ہو گئی ہے۔ اس کا علاج صرف یہ ہے کہ ہم اپنے فکر و تحمل کی استعداد کی تربیت کی طرف متوجہ ہوں اور دماغ کو سنجیدہ مباحث کے لائق بنائیں۔ ہم علما اور عوام کے فرق کو تسلیم نہیں کرتے کہ اسلام کی عام تعلیم جتنی ہر مسلمان کو سمجھنی چاہیے، اس کے لیے ہماری عام استعداد کافی ہے۔ ہماری عام استعداد اس سے بدرجہا بلند ہونی چاہیے اور اس کا طریقہ صرف یہ ہے کہ سنجیدہ مطالب کے مطالعے کی عادت ڈالی جائے۔

یہ بڑی بدقسمتی ہے کہ اسلام کے متعلق عام مسلمانوں کی واقفیت بعض فضول قصوں اور چند فروعی مسائل سے زیادہ نہیں ہے۔ حالانکہ ہماری اصلی قوت اسلام کے سمجھنے ہی میں مضمر ہے۔ تاہم الاصلاح کو آسان کرنے سے ہم غافل نہیں ہیں۔ پچھلے نمبر میں اس سے متعلق جو کچھ عرض کیا گیا ہے، وہ پیش نظر ہے اور جلد سے جلد اس کو عمل میں لانے کے امکانات پر غور

کر رہے ہیں۔ بعض ضروری اور مفید ابواب فوراً بڑھا دینے کا ارادہ تھا، لیکن صفحات کی کمی کی وجہ سے یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا۔ اب ناگزیر ہے کہ صفحات بڑھائے جائیں، لیکن دیکھیں اس کے لیے حالات کب ساز گار ہوتے ہیں۔ یہ صفحات عام تعلیم و اصلاح کے لیے مخصوص ہوں گے۔''

امام فراہی کی کتب کی اشاعت کے حوالے سے ایک اعلان اس عنوان کے تحت لکھا گیا:

''دائرۂ حمیدیہ کا پہلا کام''

استاذ امام کی تصانیف میں ''جمہرۃ البلاغہ'' کے چھاپنے کا ارادہ تھا۔ اس کے مسودہ کی ترتیب و تدوین کا کام ایک حد تک ختم ہو چکا ہے۔ اہل علم کا شوق و تقاضا بھی اس کے لیے بہت ہے، لیکن وقت کا تقاضا کچھ اور ہے۔ اس لیے ارادہ میں تبدیلی کرنی پڑی۔

اس کے بعد اُس دور میں جدید پڑھے لکھے لوگوں میں برپا شکوک و شبہات کو دور کرنے کے طریقوں پر بات کی گئی ہے۔ اس حوالے سے سر سید احمد خاں اور ان سے متفق اہل علم کا نام لیے بغیر ان پر تنقید کی گئی ہے اور اپنا موقف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''مغربی علوم و افکار کے شیوع نے اس وقت مسلمانوں کے تعلیم یافتہ طبقے میں سخت ذہنی انارکی پھیلا دی ہے۔ ایک بہت بڑی جماعت نے ہماری عام صف سے کٹ کر اپنا ایک علیحدہ محاذ قائم کر لیا ہے اور مذہب پر طرح طرح کے اعتراضات کی بوچھاڑ شروع کر دی ہے۔ اس جماعت کو بدگمانی ہے کہ عام طور پر جو مذہب مانا جاتا ہے وہ عقل کے خلاف ہے اور جو مذہب عقل کے خلاف ہے وہ قابلِ قبول نہیں۔ اس لیے وہ مذہب کو ایک نئے قالب میں پیش کرتے ہیں اور ان کا دعویٰ ہے کہ یہی حقیقی اور اصلی مذہب ہے۔

اس بدگمانی کے اسباب بہت ہو سکتے ہیں اور ممکن ہے کہ مغربی علوم وافکار سے مرعوبیت اور عقل و علم کے غرورِ باطل اور ادعاے بے جا کو بھی اس میں کچھ دخل ہو، لیکن ہمارے نزدیک اس کی اصل اور بنیادی وجہ صرف یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے اسلام اپنی مجموعی شکل و صورت میں نہیں ہے۔ اس کی چند جزیات، نظام اور شیرازہ سے بالکل علیحدہ کر کے وہ (اسلام کو) دیکھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ایک سرو رعنا اور شاخِ بریدہ میں فرق ہے۔ اگر کوئی شخص انسانی جسم کے کسی کٹے ہوئے عضو کو دیکھے، اس میں اس کو کیا حسن نظر آئے گا؟...

کسی شے پر فلسفیانہ غور و تعمق کے لیے ضروری ہے کہ جزو کو کُل کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے،

لیکن افسوس ہے کہ اسلام پر اس حیثیت سے بہت کم غور کیا گیا۔ اس آخری دور میں علماءِ اسلام میں یہ دولت، سعادت اللہ تعالیٰ نے اپنے فضلِ خاص سے صرف استاذ امام فراہی کو بخشی اور یوں تو ان کی تمام تصنیفات میں یہ روحِ حقیقت جلوہ گر ہے، لیکن خاصتاً ان کی دو عظیم الشان تصنیفوں ''ملکوت اللہ'' اور ''کتاب الحکمۃ'' کا مقصد ہی سننِ الٰہیہ اور نظامِ اسلام کو آشکارا کرنا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر یہ دونوں کتابیں شائع ہو جائیں تو عقل و دین کا ٹوٹا ہوا رشتہ جُڑ جائے گا۔

اس لیے ہم نے ارادہ کیا ہے کہ ان دونوں کتابوں میں سے کم از کم ''ملکوت اللہ'' جلد از جلد شائع کر دی جائے۔ برادرِ مکرم مولوی اختر احسن صاحب اصلاحی اس کی ترتیب و تدوین میں مشغول ہو گئے ہیں۔ اس کتاب کے متعلق برادرِ موصوف کا ایک مضمون بھی قارئین کے سامنے آئے گا۔ اسی کے ساتھ ساتھ تفسیر سورۃ اللہب اور سورۃ الکوثر کا اردو ترجمہ بھی جلد شائع ہو گا۔''

[باقی]

خیال و خامہ

جاوید احمد غامدی

عشرت دوام

حضورِ قلب کی لذت تلاش کرتا ہوں
بہت گراں ہے طبیعت پہ اب یہ محرومی
یہ جانتا ہوں اگر یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں
جنید ہوں میں اگرچہ نہ عارفِ رومی

ہزار غم ہو مگر قبلۂ نگاہِ نیاز
وہی دیارِ محبت، وہی جلال و جمال
سوادِ ظلمتِ شب کے حجاب میں بھی حضور
یہی ہے دین و شریعت کا منتہاے کمال

مری دعا میں وہی گریۂ سحر گاہی!
زہے نصیب کہ پھر اُن کی بارگاہ میں ہوں

وہ ایک سجدہ بظاہر جو روبرو بھی نہیں
مرے وجود کے صحرا میں دجلہ و جیحوں

ترے حضور میسر ہو صبح و شام مجھے
یہی سجود رہے عشرتِ دوام مجھے

شاہد محمود

خبر نامہ ”المورد امریکہ“

[مئی 2024]

غامدی صاحب کی ہفتہ وار سوال و جواب کی نشستیں

گذشتہ ماہ غامدی سینٹر کے زیر اہتمام ہونے والی ہفتہ وار سوال و جواب کی نشستوں میں جن اہم موضوعات کو زیر بحث لایا گیا وہ یہ ہیں: ”کیا امریکہ ایک مہذب فاتح ہے؟“، ”مذہبی شعور کیسے پیدا ہوتا ہے؟“، ”غامدی صاحب کو کن موضوعات پر بات کرنی چاہیے؟“ اور ”تبدیلی کا مذہبی بیانیہ“۔ مزید برآں مذہبی جماعت اور سیاسی جماعت میں فرق کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ سورۂ شوریٰ کی آیت 13 کی روشنی میں اقامتِ دین کے مفہوم پر بات ہوئی اور اس بارے میں غامدی صاحب کے موقف پر کیے جانے والے اعتراضات کا جائزہ لیا گیا۔ ان نشستوں کی ریکارڈنگ ادارے کے یوٹیوب چینل پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

”مندر کی تعمیر —— اعتراضات کی حقیقت“

کچھ عرصہ قبل غامدی سینٹر کو ابو ظہبی میں مندر کی تعمیر کے حوالے سے ایک سوال موصول ہوا۔ اُس میں یہ پوچھا گیا کہ کیا جزیرہ نماے عرب میں آج بھی غیر مسلموں کی مستقل رہایش اور

ان کے مذہبی مقامات بنانا ناجائز ہے؟ حسن الیاس صاحب نے اِس سوال کا جواب ریکارڈ کرایا۔ ان کے اس جواب پر اور اس بارے میں غامدی صاحب کے نقطۂ نظر پر ناظرین کی طرف سے جو اعتراضات کیے گئے اس نشست میں غامدی صاحب نے ان کا جواب دیا ہے۔ اس نشست کی ریکارڈنگ غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

اسباق زندگی

غامدی صاحب کے عزیز شاگرد جناب معز امجد نے ڈیلس، امریکہ میں اپنے قیام کے دوران میں غامدی سینٹر کے لیے پروگرام ریکارڈ کرائے۔ ابتدائی چار پروگراموں میں میزبانی کے فرائض حسن الیاس صاحب نے انجام دیے، جب کہ باقی پروگراموں کے میزبان جہاں زیب حمید صاحب ہیں۔ اپریل 2024 میں ان پروگراموں میں زندگی کو بہتر بنانے کے اصول، لوگوں تک اپنی بات کیسے پہنچائی جاسکتی ہے اور اخلاقیات کے حوالے سے گفتگو کے ساتھ ساتھ معز امجد صاحب جو وقتاً فوقتاً ورک شاپس کا انعقاد کرتے رہتے ہیں، ان پر بھی بات ہوئی کہ ان ورکشاپس کا مقصد کیا ہے، ان کے اہم نکات کیا ہوتے ہیں اور کسی ورکشاپ کو کامیاب بنانے کے کیا اصول ہیں۔ گذشتہ ماہ اس پروگرام کے 6 اپی سوڈ نشر کیے گئے، جن کو غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر دیکھا جاسکتا ہے۔

”علم و حکمت: غامدی کے ساتھ“

اپریل 2024 میں دنیا نیوز چینل کے معروف پروگرام ”علم و حکمت: غامدی کے ساتھ“ میں ”قرآن مجید پر اعتراضات کا جائزہ“، ”اللہ پر ایمان“ اور ناظرین کی طرف سے موصول ہونے والے سوالات پر مبنی پروگرام نشر ہوئے۔ ان پروگراموں میں عقل کے مسلمات کیا ہیں اور ان سے توحید پر استدلال کیسے ہوتا ہے؟، عہد الست کے واقعہ کو قرآن مجید میں بیان کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟، قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کی کیا دلیل ہے؟ اور قرآن مجید کو تین دفعہ لکھوانے کا عمل کیوں ہوا؟ جیسے سوالات کو زیر بحث لایا گیا۔ ان پروگراموں کی ریکارڈنگ ادارے کے یوٹیوب چینل پر موجود ہے۔

رازِ حیات کے مختلف پروگرام

''رازِ حیات'' غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر نشر ہونے والا ہفتہ وار پروگرام ہے۔ اس میں دین کی تعلیم و تربیت اور تزکیہ و تطہیر کے موضوعات پر گفتگو کی جاتی ہے۔ گذشتہ ماہ اس پروگرام میں ''ہم اور ہمارے انبیا''، ''ہم اور ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم'' اور ''ہم اور ہماری الہامی کتابیں'' جیسے اہم موضوعات پر بات کی گئی۔ منظور الحسن صاحب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کا مختصر تعارف بیان کرتے ہوئے ان کے ساتھ ہمارے تعلق پر بات کی۔ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے انھوں نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمارا بنیادی تعلق ایمان کا تعلق ہے اور اسی تعلق پر باقی تمام تعلقات قائم ہیں۔ مزید برآں انھوں نے الہامی کتابوں کے نزول کا مقصد بھی بیان کیا۔ ان پروگراموں کی ریکارڈنگ کو ادارے کے یوٹیوب چینل پر دیکھا جا سکتا ہے۔

دین کا عالم کیسے بنا جائے؟

یہ حسن الیاس صاحب کا پروگرام ہے۔ اس پروگرام میں وہ دین کا عالم بننے کے حوالے سے آسٹریلیا سے آئے نوجوان حمزہ خالد کے مختلف سوالوں کے جواب دے رہے ہیں۔ گذشتہ ماہ ان نشستوں میں یہ سوالات زیر بحث رہے کہ دین کا عالم بننے کے لیے ضروری ابتدائی مراحل کیا ہیں؟ اور دین کا ایک عالم معاش کا بندوبست کیسے کرے گا؟ اس کے علاوہ حسن الیاس صاحب نے متعدد مفید مشورے بھی دیے جن سے کسی شخص کو دین کا عالم بننے میں کافی مدد مل سکتی ہے۔ اس پروگرام کی ریکارڈنگ غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر موجود ہے۔

غامدی صاحب کے ترجمۂ قرآن کا تعارف اور چیدہ چیدہ خصوصیات

یہ ڈاکٹر عرفان شہزاد کا مضمون ہے، جس میں انھوں غامدی صاحب کے ترجمۂ قرآن کا تعارف اور اس کی چیدہ چیدہ خصوصیات بیان کی ہیں۔ انھوں نے اپنے اس مضمون میں قرآن مجید سے متعدد مثالیں پیش کر کے اس بات کو واضح کیا ہے کہ غامدی صاحب کا ترجمۂ قرآن نظم قرآن کی روشنی میں قرآن مجید کا ایک مربوط اور مسلسل ترجمہ ہے۔ اس ترجمے کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس ترجمے میں متنِ قرآن کو پیروں میں تقسیم کیا گیا ہے جس سے ہر پیرے کی

خاص معنوی وحدت نمایاں ہوتی ہے۔ قرآن مجید کے موضوع کو متعین کیا گیا ہے، جس سے قرآن کا دائرہ طے ہوتا ہے کہ وہ کن امور کو موضوع بناتا ہے اور کن کو نہیں۔ قانون اتمام حجت کا ایک نظریاتی فریم ہے جس کے تحت آیات کا درست تناظر سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ ترجمے میں ہی مخذوفات کو کھولا اور مخاطبین کا تعیین کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اس ترجمۂ قرآن کی ایک منفرد حیثیت یہ ہے کہ ترجمے کے اندر ہی ضمائر کے مراجع کا تعین کر دیا گیا ہے۔ یہ مضمون گذشتہ ماہ کے شمارے میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

''مولانا اصلاحی کا علم حدیث کی تحصیل کا فیصلہ''

نعیم احمد بلوچ صاحب نے ''حیات امین'' کی گذشتہ ماہ شائع ہونے والی قسط میں مولانا اصلاحی کے علم حدیث کی تحصیل کی روداد بیان کی ہے۔ لکھتے ہیں کہ قرآن مجید کے بعد انھوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اب کسی جید عالم سے حدیث کا علم حاصل کریں گے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے اس فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے جامع ترمذی کے شارح مولانا محمد عبد الرحمان مبارک پوری کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا۔ بیان کرتے ہیں کہ جب مولانا مبارک پوری کو معلوم ہوا کہ مولانا اصلاحی مدرسۃ الاصلاح کے فارغ التحصیل ہیں تو انھوں نے تبرکاً ایک حدیث پڑھا کر ان کو سند بیان کرنے کی اجازت دے دی، لیکن مولانا اصلاحی نے درخواست کی کہ وہ سبقاً سبقاً حدیث پڑھنا چاہتے ہیں چنانچہ مولانا مبارک پوری نے انھیں جامع ترمذی کا درس دینا شروع کر دیا۔ اور اس طرح ان کے علمِ حدیث کی تحصیل کے سفر کا آغاز ہوا۔

تطہیر بدن کے احکام

مدیر اشراق، امریکہ سید منظور الحسن کا یہ مضمون گذشتہ ماہ کے شمارے میں شائع ہوا ہے۔ اس مضمون میں انھوں نے تطہیر بدن سے متعلق دین کے احکام کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انسان کا بدن اس کے وجود کا اولین مظہر ہے۔ اس کی پاکیزگی اور صفائی ستھرائی انسان کی فطرت میں شامل ہے اور حضرت آدم سے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام پیغمبروں نے بدن کی صفائی کو لازمی قرار دیا ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ تطہیر بدن کے یہ احکام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے دین ابراہیمی کی روایت کے طور پر رائج تھے۔ آپ نے انھیں اختیار فرمایا

اور سنت کی حیثیت سے دین میں جاری فرمایا ہے۔ ان احکام کی نوعیت رسوم و آداب کی ہے۔ انبیا علیہم السلام نے ان کا اہتمام کیا ہے اور اپنے ماننے والوں کو ان کے التزام کی تائید فرمائی ہے۔

قرآن و حدیث کا ہفتہ وار درس

اپریل 2024 میں غامدی صاحب کے قرآن و حدیث کے لائیو درس میں درس قرآن کی نشستوں میں سورۂ بنی اسرائیل کی 68 تا 83 آیات کا درس دیا گیا، جب کہ درس حدیث کی نشستوں میں ”میرا اور میرے خلفاے راشدین کا طریقہ“ اور ”عذاب قبر“ کے حوالے سے احادیث پر بات ہوئی۔ قرآن و حدیث کے دروس کی یہ نشستیں غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر دیکھی جا سکتی ہیں۔

ڈاکٹر شہزاد سلیم کے مختلف لیکچرز کی ریکارڈنگ

اپریل 2024 میں شہزاد سلیم صاحب نے جن موضوعات پر لیکچرز ریکارڈ کرائے، وہ یہ ہیں: ”روزے کی حکمت“، ”مسائل زکوٰۃ“، ”صدقہ اور سخاوت“، ”زندگی کی آزمایشوں کا سامنا“، ”خدا سے مضبوط تعلق کیسے قائم کیا جائے؟“، ”کیا ہم آخرت کے لیے تیار ہیں؟“، ”اچھے انسان کیسے بنیں؟“ اور ”رمضان کا سبق“۔ ان لیکچرز کو غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر دیکھا جا سکتا ہیں۔

”سوال و جواب سید منظور الحسن کے ساتھ“

یہ غامدی سینٹر کا مستقل پروگرام ہے۔ اس پروگرام میں نوجوانوں کے ذہنوں میں اسلام سے متعلق پیدا ہونے والے سوالوں کا جواب دیا جاتا ہے۔ پروگرام میں مختلف نوجوان خواتین و حضرات سوال کرتے ہیں۔ سید منظور الحسن اِن سوالات کے مفصل جواب دیتے ہیں۔ گذشتہ ماہ اس پروگرام میں جو موضوعات زیر بحث رہے، وہ یہ ہیں: ”اعتکاف کی حقیقت و اہمیت“، ”غامدی صاحب کا تصور حدیث: اعتراضات کی حقیقت“ اور ”نکاح کی ضرورت و اہمیت“ ان پروگراموں کو ادارے کے یوٹیوب چینل پر دیکھا جا سکتا ہے۔

لفظِ ”تبیین“ کے بارے میں اسلاف کی آرا

گذشتہ ماہ غامدی سینٹر کے زیر اہتمام 23 اعتراضات کی ویڈیو سیریز میں ”حدیث کیا ہے؟“ کا

موضوع زیر بحث رہا۔ اس موضوع کے تحت غامدی صاحب نے لفظ تبیین کے مختلف پہلوؤں کو واضح کیا اور اس بارے میں اسلاف کے نقطۂ نظر کو بیان کیا۔ ان نشستوں کی ریکارڈنگ غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر دیکھی جاسکتی ہے۔

دینی آرا پر مبنی فتاویٰ کا اجرا

شریعت کے قانونی اطلاقات کے حوالے سے لوگ اکثر ''غامدی سینٹر آف اسلامک لرننگ'' سے رابطہ کرتے ہیں۔ انھیں نکاح و طلاق، وراثت (inheritance) اور بعض دیگر معاشی اور معاشرتی پہلوؤں سے اطلاقی آرا کی ضرورت ہوتی ہے۔ گذشتہ ماہ اسی نوعیت کی مختلف ضرورتوں کے تحت 5 فتوے جاری کیے گئے۔ انھیں جناب جاوید احمد غامدی کی رہنمائی میں محمد حسن الیاس نے جاری کیا۔

سفر در سفر

یہ غامدی صاحب کے دیرینہ رفیق اور شاگرد نعیم احمد بلوچ صاحب کا پروگرام ہے جو غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر سلسلہ وار نشر کیا جارہا ہے اور اس کی میزبانی کے فرائض جناب جہاں زیب حمید سرانجام دے رہے ہیں۔ گذشتہ ماہ نشر ہونے والے پروگراموں میں نعیم بلوچ صاحب نے پاکستان میں نوجوانوں کے شدت پسندی کے بیانیے سے متاثر ہونے کی وجوہات بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اس حوالے سے انھوں نے جو کام کیا ہے اس کی تفصیل بھی بیان کی۔ اس کے علاوہ انھوں نے اپنی علمی، تصنیفی اور صحافتی سرگرمیوں کے حوالے سے بھی گفتگو کی۔ اس پروگرام کو غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

غامدی سینٹر میں عید ملن پارٹی کا اہتمام

گذشتہ ماہ عید کے روز غامدی سینٹر میں عید ملن پارٹی کا اہتمام کیا گیا۔ لوگ عید کی نماز ادا کرنے کے بعد غامدی سینٹر میں جمع ہوئے۔ اس تقریب میں مقامی لوگوں کے علاوہ غامدی سینٹر اور المورد، امریکہ کی ٹیم کے لوگوں نے اپنے اہل و عیال کے ساتھ اور بورڈ اور جنرل باڈی کے بعض ممبران نے بھی شرکت کی۔